عرب و ہند
عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں
مصنّف
قاضی اطہر مبارکپوری
www.besturdubooks.net

عرب و ہند

عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں

قاضی اطہر مبارکپوری

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

نام کتاب

عرب و ہند
عہدِ رسالت میں

مصنف: قاضی اطہر مبارکپوری رحؒ

صفحات: ۲۰۸ قیمت: ۵۲/- روپے

طبع اوّل (جدید ایڈیشن): مئی ۲۰۰۴ء

باہتمام

محمد ناصر خان

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دینی و دیگر علمی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور طباعت سے قبل کوشش کی جاتی ہے کہ نشاندہی کی جانے والی جملہ غلطیوں کی بروقت تصحیح کر دی جائے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہتا ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ علمی غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں تعاون کرنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔ (ادارہ)

Name of the book

ARAB-O-HIND
Ahd-e-Risalat Mein

By: **Qazi Athar Mubarakpuri**

(Rahmatullah Alaihi)

1st Edition: **May, 2004**

Pages: 208 Size: 23x36/16 Price: **Rs. 52/-**

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House Darya Ganj, N. Delhi-2

Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998 Res.: 23262486

E-mail: farid@ndf.vsnl.net.in Websites: faridexport.com, faridbook.com

Printed at: Farid Enterprises, Delhi-6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

مورّخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''عرب و ہند: عہدِ رسالت میں'' ہند و پاک سے تین مرتبہ شائع ہوچکی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ سندھی اور عربی میں بھی ہوا اب چوتھی بار ہندوستان سے چالیس سال بعد طبع ہورہی ہے۔

مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ ۴؍رجب ۱۳۳۴ھ مطابق ۷؍مئی ۱۹۱۶ء کو مبارکپور میں پیدا ہوئے اور ۲۷؍صفر ۱۴۱۷ مطابق ۱۴؍جولائی ۱۹۹۶ء کو اپنے وطن مبارکپور میں ان کا انتقال ہوا اور آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

اصل نام عبدالحفیظ، مگر شاعری کا تخلص اطہر ہے۔ چونکہ خاندان میں عہدۂ قضاء عہدِ جہانگیری سے چلا آرہا تھا اس لئے قاضی اطہر مبارکپوری مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی بعد ازاں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں عربی کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ صرف ایک سال کے لئے جامعہ قاسمیہ شاہی (مرادآباد) میں داخلہ لیا اور وہاں سے فراغت حاصل کی۔ ان کی مضمون نگاری اور شاعری کی ابتداء ایامِ طالب علمی سے ہوچکی تھی اور ان کے مضامین ملک کے نمایاں اخبار ورسائل میں شائع ہوتے تھے۔ پانچ سال تک احیاء العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر ۱۹۴۴ء میں امرتسر چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد لاہور چلے گئے اور شاعرِ مزدور احسان دانش اور مولانا فارقلیط کے ساتھ مل کر علمی کام کیا اور تقسیم ہند سے کچھ پہلے اپنے وطن مبارکپور آگئے۔

آزادی کے بعد بہرائچ سے ایک ہفتہ وار اخبار 'الانصار' نکالا لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی یہ اخبار حکومت کے عتاب کا شکار ہوگیا۔ ۱۹۴۸ء میں ایک سال کے لئے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) بسلسلہ تدریس قیام رہا، جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا یوسف بنوری تھے اور جامعہ اسلامیہ کے کتب خانہ کا قیام ان کی شہرہ آفاق کتاب ''رجال السند والهند إلى القرن السابع'' کے سبب ہوا، ایک سال بعد ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء سے بمبئی میں قیام پذیر ہوئے اور

۱۹۵۱ء سے روزنامہ 'انقلاب' میں احوال و معارف کے عنوان سے دینی اور علمی کالم لکھنے لگے۔ ۱۹۵۴ء میں ماہنامہ 'البلاغ' کا اجراء کیا اور ۲۵ سال تک اس کے مدیر رہے۔ یہ رسالہ علمی و دینی تھا خاص طور پر حج اور حجاج کے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۱ء تک کا عرصہ اُردو صحافت میں گذرا۔ روزنامہ انقلاب میں چالیس سال تک احوال و معارف کے عنوان سے لکھا۔ البلاغ اور انقلاب کے مضامین کو اگر الگ الگ عنوان سے مرتب کیا جائے تو بلا مبالغہ صدہا معیاری کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ بمبئی میں اپنے قیام کے دوران ۱۹۵۱ء میں بھیونڈی میں مفتاح العلوم کے نام سے ایک مکتب کا افتتاح کیا پھر ۱۹۵۴ء میں ہندوستانی مسجد میں اس کے لئے ایک شاندار عمارت کی بنیاد رکھی اور یہ مدرسہ عظیم الشان علمی و دینی قلعہ بن گیا۔

اُنہوں نے حجاز، مصر، عرب و افریقہ کا سفر کیا اور متعدد بار پاکستان گئے، ہندوستان کے صدر جمہوریہ نے ۱۹۸۴ء میں ان کی عربی لیاقت کا اعتراف کرتے ہوئے ایوارڈ سے نوازا اور پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بھی ان کی علمی اور دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ایوارڈ دیا۔

مولانا مبارکپوریؒ نے مختلف موضوعات پر تقریباً ۳۵ کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا مرحوم کا موضوع تاریخ تھا خاص طور پر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد کے موضوع پر مولانا نے ایک درجن سے زائد اُردو اور عربی میں کتابیں تالیف کیں۔

زیر نظر کتاب ''عرب و ہند: عہدِ رسالت میں'' اپنے موضوع پر منفرد ہے، پہلی مرتبہ ۱۹۶۴ء میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی اور دوسری مرتبہ تنظیم فکر و نظر سکھر، سندھ سے شائع ہوئی اور اس کا تیسرا ایڈیشن مکتبہ عارف کراچی نے شائع کیا۔ اسی تنظیم کی طرف سے اس کا سندھی ایڈیشن بھی شائع کیا گیا۔ اس کا عربی ترجمہ مصری عالم ڈاکٹر عبدالعزیز عزت نے کیا اور الھیئۃ المصریہ العامہ الکتاب نے قاہرہ سے شائع کیا۔

یہ بات باعث مسرت ہے کہ چوتھی بار پھر یہ کتاب ہندوستان سے چھپ رہی ہے۔ کتاب کے آخر میں مراجع و مصادر کے مطالعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا مرحوم اس کتاب کی تیاری

کے دوران سمندر میں کتنی بار غوطہ زن ہوئے۔

الحمد للہ! مولانا کی تقریباً تمام علمی و تحقیقی مطبوعات اپنے نادر موضوعات کے سبب قبول عام حاصل کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ مولانا مرحوم کے مفصل حالات ان کی خودنوشت سوانح میں موجود ہیں۔ یہ کتاب ''کاروانِ حیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

اخیر میں ہم کتاب کے ناشر اور فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹیڈ کے ڈائریکٹر جناب محمد ناصر خان کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اُٹھایا۔

فجزاهم الله خير الجزاء۔

احقر:

قاضی سلمان بن قاضی اطہر مبارکپوری

حجازی منزل، مبارکپور، اعظم گڑھ، یو۔ پی۔

۷ر مئی ۲۰۰۴ء

فہرست مضامین

عرب و ہند

عہدِ رسالتؐ میں

عرب میں آباد ہندوستانی قومیں

عرب میں ہندوستانی بستیاں

عرب میں آباد ہندوستانیوں کو دعوتِ اسلام

پیغمبر اسلامؐ اور ہندوستان کے باشندے

عہدِ رسالت میں ہندوستانی اشیاء کا استعمال

اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد

□ □

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

"عرب و ہند عہدِ رسالت میں" ندوۃ المصنفین سے شایع کر کے مجھے خاص مسرت ہو رہی ہے، مجلّہ معارف میں اس کے بعض ابواب کے مطالعہ کا اتفاق ہوا تھا اور اسی وقت سے خیال تھا کہ ایسی معلوماتی اور نفیس کتاب کی اشاعت اسی ادارے سے ہونی چاہیے، شکر ہے اس کا وقت آگیا۔

لائق مؤلف نے ان مقالات پر نہ صرف وسیع نظر ثانی کی ہے بلکہ متعدد اہم ابواب کا اضافہ بھی کیا ہے اور اس طرح اپنے موضوع پر یہ کتاب نادر معلومات کا گنجینہ ہو گئی ہے، عرب و ہند کے تعلقات پر مرحوم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی کتاب مشہور و مقبول ہے اور اس کو پڑھ کر عرب و ہند کے عام روابط و علائق کا بصیرت افروز نقشہ سامنے آجاتا ہے، مگر زیرِ نظر کتاب کا موضوع اچھوتا ہے اور اس میں خاص زمانۂ نبوّت کے عرب و ہند سے بحث کی گئی ہے، کتاب کے آٹھ بڑے باب ہیں جن میں آخر کے تین باب (۱) "پیغمبر اسلام اور ہندوستانی باشندے" (۲) "عہدِ رسالت میں ہندوستانی اشیاء کا استعمال" (۳) "اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد" خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں، دوسری خصوصیتوں سے قطع نظر کتاب کی سب سے اہم خصوصیت اس کی بے شمار عربی عبارتیں ہیں جن کو معتبر اور مستند ماخذوں سے لیا گیا ہے اور پھر ان عبارتوں کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا گیا ہے، فاضل مؤلف عربی زبان کے بہت اچھے ادیب ہیں اور ان کا یہ ذوق طبعی اور فطری ہے اس لیے قدرتی طور پر بہت سی پیچیدہ اور اجنبی عبارتوں کا ترجمہ بھی نہایت صاف اور بے تکلف کیا ہے۔

لفظ بابو کی تحقیق میں لکھتے ہیں؛

"عرب میں بابوس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں، نیز اس کا استعمال گہوارے میں دودھ پیتے انسان کے بچے کے لیے ہوتا تھا، تقریباً اسی دوسرے معنیٰ میں ہندوستان میں چھوٹے بچے کے لیے بابو کا لفظ بولا جاتا ہے، بابو اور بابوس میں صرف آخر میں سین کا اضافہ ہے، نیز عرب میں بچہ باپ کو اور باپ بچے کو بابا کہتا ہے،

لسان العرب میں ہے؛

و قالوا بأبأ الصبی ابوه اذا قال لہ بابا وبأبأ الصبی اذا قال لہ بابا،	علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب باپ اپنے بچے کو بابا کہتا ہے یا بچہ اپنے باپ کو بابا کہتا ہے تو بابا کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔

ہندوستان اور عرب میں یہ مشترک لفظ تھوڑے سے مقامی اثر و فرق کے ساتھ حدیث میں بھی آیا ہے، چنانچہ بخاری میں حدیث جُرَیج راہب میں ہے؛

ثم مسح رأس الصبی وقال لہ یا بابوس من ابوک فقال راعی الغنم۔	جُریج راہب نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اے بابو! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا بکری کا چرواہا۔"

یقین ہے یہ قابلِ قدر کتاب قبولِ عام حاصل کرے گی اور اس کے مطالعہ سے وقت کے ایک اہم اور دلچسپ مسئلے قومی یک جہتی کے حقیقی مقصد کو بھی تقویت پہنچے گی۔ فقط

عتیق الرحمٰن عثمانی

۵ رشعبان المعظم ۱۳۸۲ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۶۲ء — ندوۃ المصنفین، جامع مسجد دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

ابتدائیہ

رجال السند والہند کی تالیف و تدوین کے سلسلے میں ہندوستان اور عرب کی ابتدائی اسلامی تاریخ کے بارے میں بہت سی مفید اور اہم باتیں سامنے آئیں ان میں "عرب و ہند عہدِ رسالت میں" کا موضوع بھی تھا، یہ موضوع جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر نادر اور دِقّت طلب بھی ہے، مگر الحمدللہ کہ جب احادیث و سیر اور تواریخ و رجال کی کتابوں کی چھان بین کی گئی تو اس موضوع میں توقع سے بہت زیادہ کامیابی نظر آئی، اور عجیب و غریب انکشافات سامنے آئے، اور سیرتِ نبوی کے مقدس پر اچھا خاصا حاشیہ تیار ہوگیا۔

بعض مباحث اور عبارات کی تکرار اہل علم کے ذوق پر بار ہو سکتی ہے، مگر کیا کیا جائے اس رنگ برنگ کی مٹھائیوں کی دکان کا کل سرمایہ چند شکر پارے ہیں جن کو مختلف رنگ و صورت میں سجایا گیا ہے، عربی عبارتوں کی کثرت، اور ان کے ترجمے کا کھرا پن بھی غایت احتیاط اور احساس ذمہ داری کی وجہ سے ہے، اس کتاب کا مقصد سیرت نبوی کے اس سنہرے باب کو اجاگر کرنا ہے جس کا تعلق ہمارے ملک ہندوستان سے رہا ہے۔

اس کی ابتدا، رمضان ۱۳۸۱ھ (مارچ ۱۹۶۲ء) میں ہوئی تھی، اسی وقت سے اس کے اجزا، مجلہ معارف اعظم گڑھ میں شایع ہوتے رہے جن کو ہند و پاک کے علمی

حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا، مختلف رسائل و مجلات نے ان کو نقل کیا، اور بعض دوسری زبانوں میں ان کے ترجمے شایع ہوئے اور اب اللہ کے فضل و کرم سے ان کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی باری آرہی ہے، یہ بات بڑے تشکر و امتنان کی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دونوں علمی و تحقیقی اداروں دار المصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی نے اسے وقیع نگاہوں سے دیکھا، ایک نے شروع میں اس کے اجزاء اپنے مجلہ میں شایع کیے، اور دوسرے نے پوری کتاب شائع کی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ جب ان دونوں اداروں کی تائید کو سوچتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ان کے شکریہ میں زبان بے اختیار کھل جاتی ہے، محترم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ناظم ندوۃ المصنفین کی علمی قدر دانی نے کتاب کو اعلیٰ معیار پر شایع کر کے اس کو جو عزت بخشی ہے وہ ان کی محبت و شفقت کا نتیجہ ہے جو شروع ہی سے میرے ساتھ رہی ہے، جس پر میں ہمیشہ متشکر و مطمئن رہا۔

قاضی اطہر مبارک پوری، بمبئی

غرۂ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ
۱۰ اگست ۱۹۶۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرب و ہند عہد رسالت میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملک عرب کے اطراف وجوانب میں غیر ملکیوں کی بہت زیادہ آبادی تھی، اور جب اسلام کی دعوت جزیرۃ العرب میں پھیلی تو عربوں کی طرح وہاں پر آباد دوسری قوموں کو بھی اس سے واسطہ پڑا، اور عربوں کی طرح عام طور سے وہ بھی مسلمان ہوگئیں، یا ان میں سے کچھ لوگوں نے جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہنا پسند کیا۔

شمال مغرب میں شام سے متصل عربی علاقہ رومیوں کے قبضہ میں تھا، اور وہاں رومیوں کی طرف سے عرب حکمراں انتدابی قسم کی حکومت کرتے تھے، جیسے شام کے غساسنہ اور حیرہ کے مناذرہ، شمال مشرق میں عراق پر شاہان ایران کا قبضہ تھا، جن کا مرکز ابلہ تھا، اور خلیج عربی کے پورے سواحل، بحرین اور عمان پر ان کے اساورہ یا ان کے ماتحت عرب حکمراں حکومت کرتے تھے، یہ سلسلہ یمن تک قائم تھا، اور مشرقی جنوبی عرب کا پورا ساحلی علاقہ ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، پھر یمن سے مغرب کے علاقوں میں حبشہ اور زنج کثیر تعداد میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت میں یمن کے عرب حکمراں سیف بن ذی یزن کو حبشہ کے، بادشاہ نے مغلوب کر کے پورے یمن پر قبضہ کر لیا تھا، مگر اس کے فوراً بعد ہی وہاں پھر ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا، جو بعثت نبوی کے وقت تک قائم رہا، الغرض عرب کے ان حدود پر غیر ملکی قابض و دخیل تھے، اور ان کے آدمی یا نمائندے حکمرانی

کرتے تھے، اس طرح بعثت نبوی کے وقت عرب میں رومی ایرانی، حبشی اور ہندی اپنے اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود تھے،

ہندوستان کی قومیں اگرچہ عرب میں براہ راست اپنا اثر و اقتدار نہیں رکھتی تھیں مگر مختلف وجوہ سے ان کی حیثیت بلند تھی، جس میں بڑا دخل ایرانیوں کے عرب پر قبضہ کو تھا، ایرانی ایک طرف ہندوستان اور سندھ و بلوچستان کے راجوں، مہاراجوں اور یہاں کے لوگوں کو اپنے اثر و اقتدار میں رکھتے تھے اور دوسری طرف عرب کے ساحلی علاقہ میں عراق سے لے کر یمن تک حاکمانہ طاقت رکھتے تھے، اس لیے ہندوستانیوں کو عرب کے ان حدود میں ایرانیوں کے توسط سے اقتدار نصیب ہوا، اور ایران کی فوج اساورہ میں ہندوستان کے بہت سے آدمی شامل ہو کر عرب میں رہنے لگے، ہندوستان اور عرب کے قدیم ترین تجارتی تعلقات کے بعد ایران کے توسط سے اس حاکمانہ تعلق نے ان میں عرب سے مزید دلچسپی پیدا کی اور یہاں کے لوگ ہندوستانی اشیاء کی تجارت، عرب کے جہازوں اور کشتیوں پر ملازمت، اور عرب میں آباد ہو کر وہاں کے اقامت میں بڑھ چڑھ کے حصہ لینے لگے، جس کے نتیجہ میں عہد رسالت میں عرب کے اندر ہندوستانیوں کی مختلف قومیں اور جماعتیں رہنے لگیں، اور ان کو عرب کے باشندے اپنی زبان میں مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے، چنانچہ عربوں نے اپنے ملک میں آباد ہندوستانیوں کو زط، اساورہ، سیابجہ، احامرہ، میدہ، بیاسرہ اور تکاکرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا، کسی ملک کے آدمیوں کو اتنے زیادہ نام و لقب سے یاد کرنا اس کی صریح دلیل ہے کہ وہاں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور وہ ہر طرف مشہور رہتے تھے، چوں کہ عربوں اور ہندوستانیوں میں بڑی حد تک مذہبی یک جہتی تھی اس لیے وہ بڑی آسانی سے عربوں کی زندگی میں مل جل گئے،

ان ہی حالات میں مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، چونکہ تیرہ سال تک مکی زندگی مقامی کفار و مشرکین کی وجہ سے مظلومیت میں گذری اس لیے عرب

کے انتہائی حدود کے لوگوں کو اسلام سے کم واقفیت ہوئی، اور وہاں کے عربوں کی طرح ہندوستانی بھی اسلام سے تفصیلی طور سے واقف نہیں ہو سکے، البتہ مکی زندگی میں حبشہ کی طرف صحابہؓ کی ہجرت ہوئی، اس لیے حبشہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کو اسلام کی عام واقفیت ہوئی۔ اغلب یہ ہے کہ اسی سلسلے میں حبشہ کے سامنے سواحل کے عربی اور عجمی باشندوں کو بھی اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئی ہونگی، چنانچہ حضرت باذانؓ حاکم یمن ابتدائے بعثت ہی میں اسلام لائے اور ان کے ساتھ یمن میں مقیم بہت سے اسادرہ اور ایرانی نسل کے ابنار بھی مسلمان ہوئے، اس کے باوجود دعوت و تبلیغ کے طور پر ان اطراف میں اسلام کی تفصیلی معلومات نہیں ہوئیں، اور اس کا موقع اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، ہجرت کے واقعہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق نہ صرف عرب کے انتہائی حدود میں تفصیلی واقفیت کے لیے راہ پیدا کی بلکہ اطراف و جوانب کے ان ممالک میں بھی اس کی خبر پہنچی جو عرب سے متصل تھے، اور ان ممالک سے عرب کے قدیم تعلقات تھے، اور جس طرح دوسرے ممالک میں یہ خبریں پہنچیں، ہندوستان میں بھی ان کو سنا گیا، اور یک گونہ دلچسپی ظاہر کی گئی۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ اور ۷ھ ہجری کے درمیان حدود عرب میں دعوتِ اسلام بھیجی اور صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کو اسلام کا مبلغ و داعی اور قاصد بنا کر عرب اور بیرونِ عرب کے رئیسوں، حاکموں اور باحیثیت لوگوں کو خطوط بھیجے تو اس وقت عراق سے لے کر مشرقی سواحل اور یمن تک میں اسلام کی دعوت عام ہوئی اور ان اطراف کے عربوں کی طرح عجم، فرس اور مجوس وغیرہ بھی اس کی دعوت سے تفصیلی طور پر واقف ہوئے، ان ہی کے ساتھ یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی عام طور پر اسلام سے باخبر ہو کر یا تو مسلمان ہوئے اور اسلامی زندگی کا جزو بن گئے یا عام مجوسیوں کی طرح یہ لوگ بھی

اپنے آبائی مذہب پر قائم رہ کر جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو گئے اور ان کو مجوس میں شمار کیا گیا۔

نیز عہدِ رسالت میں جس طرح اسلام کا چرچا دیگر ممالک میں ہوا، ہندوستان میں بھی ہوا اور یہاں کے مذہبی لوگوں اور راجوں مہاراجوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے براہِ راست تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی، اور دعوتِ اسلام کو سمجھنا چاہا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کے متعلق باتیں کیں، قرآن حکیم میں ہندوستانی اشیاء کے نام آئے اور ان کا تذکرہ فرمایا گیا، احادیث میں ہندوستان کے باشندوں اور یہاں کی چیزوں کا تذکرہ آیا، یہاں کی بہت سی اچھی چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کا حکم دیا، بہت سی بری باتوں سے منع فرمایا، اور دورِ رسالت کی اسلامی ادبیات میں ہندوستان کی قوموں کے، یہاں کی چیزوں کے اور اس ملک کی باتوں کے تذکرے آئے، قرآن وحدیث کے علاوہ صحابۂ کرام کے اشعار میں ان کا تذکرہ آیا،

آئندہ صفحات میں اسی اجمال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

نارجیل سے نخیل تک

ہم آئندہ جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ابتداء میں عرب و ہند کے مابین آمد و رفت کی قدیم بری اور بحری راہوں اور ان میں واقع مقامات کی نشان دہی کریں، کیوں کہ ان ہی قدیم راہوں پر چل کر ذہن کا سیاح دونوں ملکوں کی سیر کر سکتا ہے۔

سندھ اور ہندوستان عربوں کی نظر میں

سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک دو الگ الگ ملک تھے، جو ان کے مشرق میں سمندر پار پڑتے تھے، سندھ کا ملک ہندوستان، کرمان اور سجستان وغیرہ کی حدود سے گھرا ہوا تھا، اس کے بعد ہندوستان کا ملک پڑتا تھا، جو مشرق میں چین کی حدود سے ملتا تھا، اور عرب دونوں ملکوں کو ملا کر ہند بھی بولتے تھے، جس طرح تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور اب پھر ایک ملک ہندوستان کے تقریباً یہی دونوں علاقے بھارت اور پاکستان کے دو نام سے یاد کیے جانے لگے اور دونوں کے لیے جامع لفظ ہندوستان ہے۔

قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے بلاد سندھ میں ان شہروں کو شمار کیا ہے: قیقان (گیگان قلات) بنہ (غالباً بنون) مکران، مید، قندھار (گندھارا) قصدار، بوقان، قندابیل، فنزبور، ارمابیل، دیبل (قریب کراچی) قنبلی، کنبایا (کھنبائت) سہبان، سدوسان، راسک، الرور (الور) سادندری، مولتان، سندان (سنجان، بمبئی)، مندل،

بیلمان (بھیلمان گجرات) سرست، کیرج، مرمد، قالی (پالی، جوناگڈھ) دھنج (گجرات) بروص (بھڑوچ)۔[1]

واضح رہے کہ ان شہروں کے ناموں میں ترتیب کا التزام نہیں ہے، بلکہ صرف ملک سندھ کے تمام شہروں کے نام دیئے گئے ہیں، عام طور سے ان حدود کے باشندوں کو عرب سندھی سمجھتے اور کہتے تھے، سندھ شاہان فارس کے اثر واقتدار کے ماتحت یوں رہا کرتا تھا کہ یہاں کے راجے مہاراجے ان کے باج گزار اور فرماں بردار ہوتے تھے، اور ضرورت کے وقت وہ یہاں سے فوج کے لیے آدمی بھی لیتے تھے، ایران کے بادشاہ اردشیر نے سندھ کے مہاراجوں کو اپنی طرف سے خاص خاص القاب سے بھی نوازا تھا، چنانچہ اس نے قفص شاہ، مکران شاہ، قیقان شاہ، کشمیران شاہ سے سندھ کے ان مہاراجوں کو نوازا تھا جو یہاں حکمران تھے اور اس کے ماتحت تھے، اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حلقہ میں ذاتی نام کے بجائے اپنے لقب سے مشہور تھا۔[2]

عربوں کی تقسیم کی رو سے سندھ کے بعد ہندوستان کا ملک آتا تھا، جو حدود چین تک چلا گیا تھا، اور سندھ و ہند کے درمیان ساحل کی جانب قامہل نامی شہر تھا، یہ مقام غالباً بیکانیر جیسلمیر یا جوناگڈھ کے اطراف میں کہیں تھا، جہاں سندھ اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی تھیں، یاقوت حمویؒ نے لکھا ہے:

قامهل مدينة في اول حدود	قامہل سندھ کے بعد ہندوستان کی شروع
الهند، ومن صيمور الى قامهل	سرحد میں واقع ہے، اور صیمور سے قامہل
من بلد الهند ومن قامهل	تک ہندوستان ہے، اور قامہل سے
الى مكران، والبد هة دما	مکران بدھ اور ملتان کی حد کے نیچے تک کا پورا

---

[1] المسالک والممالک ص ۵، [2] المسالک والممالک ص ۱۸

وراء ذلك الی حد الملتان	علاقہ سندھ میں شامل ہے، اور سندھ
کلها من بلاد السند	کے شہر منصورہ اور قامہل کے درمیان
وبین المنصورة وقامهل	آٹھ مرحلہ کا فاصلہ ہے، اور قامہل سے
ثمان مراحل ومن قامهل	کھمبایت تک تقریباً چار مرحلے ہیں۔
الی کنبایة نحو اربع مراحل[1]	

قامہل اور چیمور (ممبئی) کے درمیانی علاقہ سے مراد گجرات ہے جسے یاقوت حموی نے ہندوستان کا علاقہ بتایا ہے، اور اس سے آگے کے ساحلی علاقہ کو جس میں کوکن، ملیبار، معبر اور اس کے آگے کلہ، شلاہط (سلہٹ) قمار اور مملکت مہراج وغیرہ شامل ہیں، ان کو مراد نہیں لیا ہے،

ابن خرداذبہ نے ہندوستان کے سواحل اور ان کے اطراف وجوانب کے راجوں، مہاراجوں کے یہ القاب بتائے ہیں: بلہرا، جابہ، طافن، ملک جزر، غابہ، رہمی، ملک قامرون، ملک زابج (فتحب) اور مہراج، فارس کے بادشاہ اردشیر نے ہندوستان کے مہاراجوں کو بھی اپنے لقب سے نوازا تھا، چنانچہ یہاں کے ایک راجہ کو ریحان شاہ کا لقب دیا تھا،[2]

دور رسالت میں عربوں کا تعلق سندھ اور ہند کے ان ساحلی علاقوں سے تھا اور وہ عام طور سے ان مقامات پر آتے جاتے تھے، اور یہاں کی اشیاء واشخاص اور اقوام سے اچھی طرح واقف تھے، اور ان مقامات کے رہنے والے بھی ذاتی طور سے یا سن سنا کر عربوں سے واقف تھے؛

ہندوستان اور عرب کے درمیان بحری اور ساحلی راستے

عرب کا ملک جنوبی ایشیا میں واقع ہے، شمال میں ملک شام، مشرق میں فرات اور بحر ہند کا ایک حصہ اور مغرب میں بحر احمر ہے، جبل سراة کا

---

[1] معجم البلدان ج ۷ ص ۱۸، طبع مصر۔ [2] المسالک والممالک ص ۱۶ و ۱۷

سلسلۂ کوہ یمن سے بادیۂ شام تک پورے ملک کو مغربی اور مشرقی حصوں میں تقسیم کرتا ہے مغربی حصہ میں جبل سراۃ سے بحر احمر کے ساحلی علاقہ کو غور کہتے ہیں، اور تہامہ، عبرہ، مشرقی عراق اور سماوہ کے علاقہ کو نجد کہتے ہیں، غور و نجد کے درمیان جو علاقہ حد فاصل کے طور پر واقع ہے، اسے حجاز کہتے ہیں، پھر نجد، مشرقی خلیج عربی، یمامہ، بحرین اور عمان کے علاقہ کو عروض کہتے ہیں، اور حجاز کے بعد جنوب تک کے علاقہ کو یمن کہتے ہیں :

ملک عرب کے عام باشندے دو طبقوں میں منقسم تھے، ایک اہل مدر اور دوسرے اہل وبر، اہل مدر وہ لوگ تھے جو آبادیوں میں رہتے تھے، ان کے پاس کھیتی باڑی، نخلستان میوے بھیڑ، بکری، اونٹ، تجارت، غرض کہ کسب معیشت کے معقول ذرائع تھے، اور وہ اپنے دور کے تمدن کی زندگی بسر کرتے تھے، اور اہل وبر وہ لوگ تھے جو صحراؤں اور ریگستانوں میں بے گھر بار کی زندگی بسر کرتے تھے، ان خانہ بدوش لوگوں کا سہارا اونٹ تھا، یہ لوگ پورے سال پانی کے چشموں اور چارہ گھاس کی تلاش میں رہا کرتے تھے، گرمی کے ایام صحراؤں اور ریگستانوں میں اچھی طرح بسر کر لیتے تھے مگر جاڑے میں عراق اور شام کی حدود میں چلے جاتے تھے، یا دیگر بستیوں کے آس پاس جا کر بڑی تنگ دستی، اور عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے[1]

ہندوستان کے جو لوگ اس زمانہ میں عرب میں رہتے تھے وہ عام طور سے بلاد و قریات میں رہنے والوں کے ساتھ رہتے تھے، اور ان کے ساتھ تجارت ملازمت یا دوسرے کام کرتے تھے۔ البتہ خلیج عربی کے سواحل پر ہندوستانیوں کا ایک گروہ قدیم زمانہ سے خانہ بدوش عربوں کی طرح گھاس اور چارہ کی تلاش میں گھوم پھر کر زندگی بسر کرتا تھا۔

عام طور سے ہندوستان کے باشندے عرب میں شمال مشرق سے لے کر جنوب تک کے سواحل اور ان کے اوپر کے شہروں میں رہتے تھے، ان علاقوں میں کئی عرب حکمراں بھی تھے،

---

[1] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۵۶ مطبعۃ التقدم مصر۔

جو ایرانیوں کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے، جس طرح ہمارے زمانہ میں بھی ان علاقوں میں عرب شیوخ انگریزوں کی نگرانی میں حکومت کرتے ہیں اور معمولی معمولی امارتیں اور ریاستیں موجود ہیں۔

اب ہم عرب سے ہندوستان آنے جانے کے ساحلی مقامات کی تفصیل بیان کرتے ہیں، تاکہ اندازہ ہوسکے کہ پہلے زمانہ میں عرب و ہند کے درمیان بحری سفر کن راہوں سے ہوتا تھا، اس سلسلے میں قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خردا ذبہ کی کتاب المسالک والممالک کی تفصیلات زیادہ کارآمد ہیں، کیونکہ اس نے اپنا جغرافیہ قدیم معلومات کی بنیاد پر لکھا ہے، اور زیادہ اعتماد بطلیموس کے بیان پر کیا ہے جو یونان کا مشہور جغرافیہ نویس گذرا ہے، جیسا کہ ابن خردا ذبہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے!

بصرہ (قدیم ابلہ) سے مشرق کی طرف فارس، ہندوستان اور چین تک کے بحری راستوں کی تفصیل یوں ہے: بصرہ سے جزیرۂ فارس پچاس فرسخ، یہ جزیرہ ایک فرسخ لمبا چوڑا ہے، یہاں پر انگور اور کھجور کے باغات ہیں اور کھیتی باڑی ہوتی ہے، یہاں سے جزیرہ لاوان اسی فرسخ ہے، یہ دو فرسخ کی لمبائی چوڑائی میں آباد ہے، یہاں کھجور کے باغات اور کھیت ہیں، یہاں سے جزیرہ ابرون سات فرسخ ہے، یہ ایک فرسخ میں آباد ہے یہاں کھیت اور نخلستان ہیں، جزیرۂ نین سات فرسخ ہے، یہ جزیرہ صرف نصف میل کا ہے اور غیر آباد ہے، یہاں سے جزیرہ کیس بھی سات فرسخ ہے، یہ چار فرسخ میں آباد ہے، یہاں کھیتی باڑی نخلستان اور مویشی کے علاوہ موتی بھی نکلتے ہیں، یہاں سے جزیرہ ابن کاوان اٹھارہ فرسخ ہے، یہ تین فرسخ میں آباد ہے، یہاں سے ارموز (ہرمز) سات فرسخ ہے، اور پھر تارا سات دن کی راہ پر ہے۔

بصرہ سے یہاں تک فارس اور سندھ کی درمیانی حد ہے، اور یہاں سے شہر دیبل (موجودہ کراچی کے آس پاس) آٹھ دن کی راہ پر ہے، جہاں سے مہران (دریائے سندھ) دو فرسخ پر سمندر میں گرتا ہے، اور مہران سے اوتکین چار دن کی مسافت پر ہے، یہ ہندستان

کا پہلا علاقہ ہے، یہاں سے میدد دو فرسخ پر ہے، میدسے کولی بھی دو فرسخ ہے، پھر سندان (سنجان نواحی بمبئی) اٹھارہ فرسخ پر ہے، پھر ملی (ملیبار) پندرہ دن کی مسافت پر ہے، اس کے بعد بلین دو دن کی مسافت پر ہے اور یہاں سے لجہ اعظمی بھی دو دن کی مسافت پر ہے،

بلین سے سمندر میں کئی راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں، جو شخص ساحل سے چلے تو اس کے لیے بلین سے باتن دو دن کی مسافت ہے، وہاں سے سجلی اور کبشکان ایک دن کی مسافت ہے، اور وہاں سے کودافرید گوداوری کا سنگم تین فرسخ ہے، پھر اور نشین بارہ فرسخ ہے، اور وہاں سے ابینہ چار دن کی مسافت ہے،

اور جو شخص بلین سے سرندیپ جائے تو اس کے لیے ایک دن کی مسافت ہے، سرندیپ کے بعد جزیرہ رامی آتا ہے، اور جو شخص بلین سے چین جانا چاہے وہ بلین سے گھوم کر سرندیپ کو اپنے بائیں جانب کر دے، پھر سرندیپ سے جزیرہ النکبالوس دس سے پندرہ دن کی مسافت ہے، اس کی بائیں جانب جزیرہ بالوس بھی چھ دن کی مسافت ہے، اور وہاں سے جزیرہ جابہ، شلاہط، اور ہر لنج دو دو فرسخ ہیں، اس کے بعد پندرہ دن کی مسافت پر عطر کے پیدا ہونے کی جگہ ہے[1]

مغرب سے مشرق آنے کا یہ بحری راستہ بصرہ (ابلہ) سے نکل کر فارس کے ساحلی مقامات سے ہوتا ہوا ہندوستان آتا ہے، ہندوستان کے لوگ قدیم زمانے میں اسی راستہ سے عام طور پر بصرہ تک آتے جاتے تھے، نیز عرب تاجران ہی راہوں سے گزر کر ہندوستان اور چین کا سفر کرتے تھے،

عمان سے لے کر بصرہ تک کا ساحلی علاقہ خلیج عرب (خلیج فارس) پر واقع ہے، اگر اس خلیج سے بصرہ سے مشرق کی طرف چلیں تو دایاں کنارہ عرب کا ہے، اور بایاں کنارہ فارس کا ہے، جو مشرق میں عرب کے علاقہ عمان اور فارس کے علاقہ بندر عباس تک ہو جاتا ہے،

---

[1] المسالک والممالک از صفحہ ۶۱ تا ۶۶ ملخص

ابن خردا ذبہ کے بیان کے مطابق اس خلیج کی چوڑائی ستر فرسخ ہے اور گہرائی ستر گز (باغ) سے اسی گز تک ہے، اور بصرہ سے عمان تک بحری راستہ یوں ہے، بصرہ سے عبادان تک دریائے دجلہ سے گزر کر بارہ فرسخ ہے، یہاں سے خشبات دو فرسخ ہے، پھر خشبات سے بحرین ستر فرسخ ہے، یہ شط العرب کا علاقہ ہے، پھر دُر دور ایک سو پچاس فرسخ ہے۔ اور یہاں سے عمان پچاس فرسخ ہے، عمان سے شحر دو سو فرسخ ہے اور شحر سے عدن ایک سو فرسخ ہے، عدن بڑی عظیم الشان بندرگاہ ہے، یہاں پر نہ کھیتی باڑی ہے اور نہ مویشی ہیں، مگر عنبر، عود، مشک اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور قلزم کے تجارتی سامان بہت زیادہ رہتے ہیں۔[1]

یہ تو بصرہ سے عمان اور اس کے آگے ساحلی مقامات کے سمندری راستہ کی تفصیل ہے، ابن خرداذبہ نے بصرہ سے عمان تک کے ساحل اور خشکی کے راستے کی بھی یوں تفصیل بیان کی ہے:

بصرہ، عبادان، حدوثہ، عرفجار، زابوقہ، المقر، عصی، معرس، خلیجہ، حسان، القری، مسیلحہ، حمض، ساحل، ہجر، عقیر، قطر، السنجہ، عمان، عمان ہی میں صحار اور دبا شہر واقع ہیں۔[2]

سواحل عرب کے قدیم بحری اور بری راستے

عرب اور ہندوستان کے قدیم تعلقات سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم خود عرب کے بھی قدیم ساحلی حدود اور ان کی مسافتیں سمجھ لیں، تاکہ ذہن میں ان کا اجمالی نقشہ آ جائے، ہم اسے قدیم عرب جغرافیہ نویس ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری کی کتاب مسالک الممالک سے خلاصے کے طور پر پیش کرتے ہیں:

ملک عرب بحر فارس (بحر عرب) سے یوں گھرا ہوا ہے کہ عبادان سے بحرین ہوتا ہوا عمان تک چلا گیا ہے، پھر سواحل مہرہ، حضر موت اور عدن پر مڑتا ہوا سواحل یمن سے جدہ تک گیا ہے، پھر جار پر مڑ کر ایلہ پہنچا ہے، یہاں پر بحر فارس (بحر عرب) کی دیار عرب کی حد

---

[1] المسالک والممالک ص ۶۰ و ۶۱ [2] المسالک والممالک ص ۶۰

ختم ہو جاتی ہے، اور یہاں سے سمندر کی جو پٹی شروع ہوتی ہے اسے بحر قلزم (بحر احمر) کہتے ہیں، جو تاران اور جبیلات تک چلی جاتی ہے، یہ پورا علاقہ دیار عرب کا مشرقی جنوبی اور کچھ مغربی حصہ ہے، یہاں سے بحر قلزم ایلہ سے ہوتا ہوا قوم لوط کی بستی اور بحیرۂ منتنہ (بدبودار سمندر) سے گذر کر شرات اور بلقار تک گیا ہے، یہ فلسطین کی بستیاں ہیں، پھر یہاں سے اذرعات، حوران، بثنیہ، غوطہ اور نواحی بعلبک سے گذرا ہے، یہ دمشق کا علاقہ، یہاں سے تدمر، سلمیہ سے گذرا ہے. جو حمص کی بستیاں ہیں اور یہاں سے خناصرہ، بالس سے گذرا ہے، یہ سب قنسرین کے علاقے ہیں، یہاں آکر ہم دریائے فرات کے پاس آجاتے ہیں، یہ دریا دیار عرب کے علاقہ جات رقہ، قرقیسیا، رحبہ، والیہ، حدیثہ، ہیت، اور انبار ہوتا ہوا کوفہ اور اس سے آگے اپنے سنگم تک چلا گیا ہے، پھر وہاں سے کوفہ اور حیرہ کے اطراف سے خورنق اور سواد کوفہ ہو کر واسط کے حدود تک گیا ہے، جہاں سے دریائے دجلہ کا فاصلہ ایک مرحلہ رہ جاتا ہے، اس کے بعد سواد بصرہ اور اس کے سنگا خوں (بطائح) سے ہوتا ہوا عبادان تک چلا گیا ہے. یہ ہیں دیار عرب کے پورے حدود جس سے یہ ملک گھرا ہوا ہے.

عبادان سے ایلہ تک بحر فارس (بحر عرب) دیار عرب کے تقریباً تین چوتھائی علاقہ کو شامل ہے، جو عرب کا مشرقی، جنوبی اور کچھ مغربی حصہ ہے. اور ایلہ سے بالس کی حد ملک شام سے ہے، بالس سے عبادان تک عرب کی شمالی حد ہے، جس میں بالس سے انبار کے آگے تک ارض جزیرہ ہے، اور انبار سے عبادان تک عراق کا علاقہ ہے، ایلہ کے پاس دیار عرب سے ایک ریگستان ملا ہوا ہے، جسے تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں، مگر یہ ریگستان دیار عرب میں شامل نہیں ہے، بلکہ عمالقہ، یونانیوں، اور قبطیوں کی سرزمین سے ہے، اس میں نہ پانی ہے، نہ چراگاہ، البتہ چوں کہ جزیرہ میں ربیعہ اور مضر کے عرب قبائل آباد ہیں اس لیے یہ دیار عرب میں سے ہے، ویسے یہ علاقہ فارس اور روم کا ہے ان کی آبادیاں اور شہر اس علاقہ میں ہیں، ان کے اثر اور تعلق کی وجہ سے ان اطراف کے عرب قبائل نے رومیوں کا نصرانی دین قبول کر لیا، جیسے قبیلہ ربیعہ کے بنو تغلب

ارض جزیرہ میں، اور یمنی قبائل غسان، بہرا، اور تنوخ ارض شام میں عیسائی بن گئے۔

ملک عرب کے اندرونی علاقے میں کوئی سمندر یا دریا نہیں جس میں جہاز یا کشتی چل سکے، بحر ملتہ جسے زعزکہتے ہیں اگرچہ بادیۃ العرب سے متصل ہے، لیکن عرب میں شامل نہیں ہے اور یمن کے دیار سبا کا بند کوئی دریا یا سمندر نہیں تھا بلکہ پانی کو بند باندھ کر ایک نشیبی علاقے میں روک لیا گیا تھا، جسے وہاں کے لوگ اپنے باغات اور کھیتوں وغیرہ میں استعمال کرتے تھے، مگر ان کے عدوان وطغیان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے تباہ کر دیا۔[1]

بحری راستوں سے عرب کے ساحلی حدود کی مسافت اس زمانہ میں کشتیوں اور جہازوں کی رفتار سے یہ تھی، عبادان سے بحرین، تقریباً ۱۵ مرحلہ، بحرین سے عمان ایک مہینہ کی مسافت، عمان سے ارض مہرہ ایک مہینہ کی مسافت، مہرہ سے حضرموت ایک مہینہ کی مسافت، پھر حضرموت کے انتہائی علاقہ سے عدن ایک مہینہ کی مسافت، عدن سے جدہ ایک مہینہ کی مسافت، جدہ سے ساحل جحفہ پانچ مرحلہ، جحفہ سے جار تین مرحلہ جار سے ایلہ بیس مرحلہ، ایلہ سے بالس بیس مرحلہ، بالس سے کوفہ بیس مرحلہ، کوفہ سے بصرہ چودہ مرحلہ بصرہ سے عبادان دو مرحلہ یہی ساحلی مسافتیں دیار عرب کو گھیرے ہوئے ہیں۔[2]

بحرین اور عبادان کے درمیان ایک دن کا ریگستانی راستہ نہایت دشوار گزار اور بے آب و گیاہ ہے، اس لیے بحری راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے، بصرہ سے بحرین تک اٹھارہ مرحلہ کا راستہ عرب قبائل سے آباد ہے، ان کی آبادیوں میں پانی کے چشمے بھی ہیں، اس راستے میں اگرچہ قافلے چلتے ہیں لیکن یہ خطرناک ہے، بحرین اور عمان کے درمیان کا بہت دشوار گذار ہے اور اس میں چلنا مشکل ہے، کیونکہ اس ریگستان میں آباد عرب قبائل آپس میں جنگ و جدال کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عمان کے آگے خشکی کا راستہ چلنا سخت مشکل ہے، کیونکہ پورا علاقہ ریگستانی ہے اور آبادی بہت ہی قلیل ہے، اس لیے لوگ جدہ جانے کے لیے بحری راستہ اختیار کرتے

---

[1] مسالک الممالک اصطخری از ص ۱۲ تا ۱۵ [2] مسالک الممالک ص ۲۷

ہیں، اگر ساحل سے چلیں تو مہرہ اور حضرموت سے عدن تک کا راستہ بہت طویل ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ یہاں پر لوگ خشکی کا راستہ بہت ہی کم اختیار کرتے ہیں[1]

یہ عرب کے ساحلی اور ان کے اطراف و جوانب کے مقامات کی مختصر سی فہرست اور ان کی مسافتوں اور راستوں کی حالت ہے، ان ہی علاقوں میں ہندوستان کی قومیں قدیم زمانہ سے آتی جاتی تھیں، اور پورے علاقے میں ان کی آمد و رفت ہوا کرتی تھی، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

جب اسلام کی دعوت عام ہوئی تو عرب کے انتہائی علاقوں کے باشندوں کی طرح یہاں کے ان ہندوستانیوں کو بھی یہ دعوت پہنچی جو عربوں کی زندگی میں شریک ہو گئے تھے، یا وہاں آتے جاتے تھے۔

ہندوستان اور عرب کے سواحل آمنے سامنے واقع ہیں اور دونوں ہی قدرت کے خصوصی فیضان کا مظہر ہیں، ہندوستان کے سواحل پر نارجیل کے باغات ہیں تو عرب کے سواحل پر کھجور کے نخلستان ہیں، حتیٰ کہ جوز ہندی آج بھی اسی طرح مشہور ہے جس طرح عرب اور بصرہ کی کھجور مشہور ہے، اور دونوں ہی پھل دونوں ملکوں کے باشندوں کی غذا میں اہم حصہ رکھتے ہیں۔

---

[1] مسالک الممالک ص ۲۸

عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، مگر ہم جس خاص نقطۂ نظر سے لکھنا چاہتے ہیں، اس کی ضرورت اب بھی باقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہندوستان کی جن بہت سی چیزوں کو استعمال فرمایا ہے، ان کے بارے میں اب بھی بہت کم معلومات ہیں، اس باب میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہندوستان کے کس مقام سے کیا چیز عرب میں جاتی تھی؟

عہدِ رسالت اور اس کے بعد تک عرب و ہند کے درمیان گوناگوں تعلقات تھے، مگر تجارتی تعلق سب سے زیادہ قدیم اور اہم تھا، ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مختلف قسم کی تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں، اور پھر وہاں کے مختلف بازاروں اور دوسرے ملکوں میں جاکر فروخت ہوتی تھیں، ہم ان کی اجمالی فہرست قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خردادبہ کی کتاب المسالک والممالک سے پیش کرتے ہیں۔

ابن خردادبہ نے پہلے اجمالی طور سے بتایا ہے کہ ہندوستان سے ہر قسم کا عود، صندل، کافور، ماخور، جوزبوا، قرنفل، قاقلہ، کبابہ، نارجیل، نباتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دیار عرب میں جاتے تھے، سرندیپ سے ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت، موتی، بلور، سنباذج، ملی اور سنجان (سندان) سے قلفل، کلہ سے رصاص قلعی، جنوب سے بقم اور رواذی

یعنی تاڑی، اور سندھ سے قسط، بانس اور بید کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔[1]

اس کے بعد تفصیل سے جس مقام سے جو چیز جاتی تھی۔ اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ سندھ میں قسط، بانس اور بید ہوتے ہیں، دریائے سندھ سے اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے اس پورے علاقہ کے پہاڑوں میں بانس کی پیداوار ہوتی ہے، سندان میں ساگوان اور بانس ہوتے ہیں، کم کم (کوکن) ساگوان کا ملک ہے، جزیرہ رامی میں گینڈے اور بید پیدا ہوتے ہیں۔ کلہ میں بھی بید کے جنگل ہیں، بابتن، سنجلی اور کیشکان میں چاول ہوتا ہے، کنجہ اور لوا، میں چاول اور گیہوں دونوں ہوتے ہیں، نیز سمندر، بالوس اور قمار میں چاول زیادہ ہوتا ہے، مثلاً ہطار (کلہٹ) میں قرنفل یعنی لونگ ہوتی ہے، کامرون وغیرہ سے عود مقام سمندر میں لائی جاتی ہے، سرندیپ کے پہاڑوں پر عود پیدا ہوتی ہے، (رہمی، بنگال) میں روئی کا مخملی کپڑا، اور عود ہندی ہوتا ہے۔ جزیرہ تیومہ، قمار اور صنف میں بھی عود ہوتا ہے، عود قماری سے بہتر عود صنفی ہوتی ہے یہ عمدہ اور وزنی ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرتی نہیں بلکہ ڈوب جاتی ہے، نیز سرندیپ میں مشک اور زباد ہوتے ہیں، زابج کے پہاڑوں میں کافور ہوتا ہے، تیومہ میں بھی کافور ہوتا ہے، اور جزیرہ بالوس کا کافور بہت ہی عمدہ ہوتا ہے، سرندیپ میں عطر اور قسم قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں، جابہ عطر کا دیس ہے، مثلاً ہطا میں صندل اور سنبل ہوتا ہے، کلہ میں رصاص قلعی کی کان ہے، جزیرہ رامی کے باشندے سمندر میں تیر کر اور کشتیوں پر عرب تاجروں کے جہاز تک آتے ہیں، اور لوہے کے بدلے عنبر فروخت کرتے ہیں، جزیرہ نکبالوس کی دولت لوہا ہے، سرندیپ کے پہاڑوں پر اور ان کے اطراف میں ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت پائے جاتے ہیں، اور اس کی وادیوں میں الماس اور پہاڑوں میں عود، فلفل، عطر خوشبو، مشک، زباد کے جانور، نارجیل اور سنباذج کی کثرت ہے۔ یہاں کے دریاؤں میں بلور ہے، اور اطراف کے سمندر سے موتی نکلتے ہیں، جزیرہ رامی میں بید، بقم اور سم ساعہ

---

[1] المسالک والممالک ص ۱۷

پائے جاتے ہیں، اس تریاق کو مسافروں نے سانپ کے زہر میں آزمایا ہے، اور نشین میں ہاتھی، چوپائے، بھینسیں اور دیگر اشیاء پائی جاتی ہیں، اس کے آگے ابینہ میں ہاتھی پایا جاتا ہے، رامی میں گینڈا ہوتا ہے، قامرون کے علاقہ میں گینڈا اور سونا بہت زیادہ ہے، زابج کے پہاڑوں میں سانپ اور اژدہے پائے جاتے ہیں۔[1]

عرب جانے والی ہندوستانی اشیاء کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے، بلکہ مذکورہ اشیاء کے علاوہ بھی بہت سی تجارتی چیزیں یہاں سے جاتی تھیں، مثلاً ہندی تلواریں، سندھ سے سندھی کپڑے، سندھی مرغی، پالہ اونٹ (فالج) جس کی نسل سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا ہے، مندل سے عود ہندی، بروص (بھڑوچ) سے بھڑوچی نیزے اور ان کے بانس، کھنبائت اور سندان سے نعال کنبایتہ یعنی کھمبائیت کے جوتے اور نارجیل، تھانہ سے عمدہ کپڑے، اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزیں عرب میں جایا کرتی تھیں۔

عرب میں ہندوستانی مال کی چار ساحلی منڈیاں اُبلہ، صحار، عدن اور جار

یوں تو پورے عرب میں ہندوستان کے مال کی کھپت ہوتی تھی، اور دور جاہلیت کے ہر بازار میں یہاں کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، مگر ان کی چند خاص منڈیاں بھی تھیں، جہاں یہ چیزیں بھاری مقدار میں رہا کرتی تھیں، گویا یہ ہندوستانی اشیاء کے گودام تھے، جیسے ابلہ، صحار، جار اور عدن وغیرہ، جہاں عرب کے ساحلی شہروں کے علاقوں سے بلکہ ہندوستان اور چین تک سے تجارتی جہاز اور کشتیاں لنگر انداز ہوتی تھیں، ابلہ قدیم زمانے سے ارض الہند اور فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور تھا، حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب ۱۴ھ میں ابلہ کو فتح کیا تو اس کی مرکزیت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو مکتوب لکھا اس میں تحریر تھا،

---

[1] المسالک والممالک ص ۶۰ تا ۶۵

امابعد فان اللہ ولہ الحمد	اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ
فتح علینا الابلۃ وھی مرفئ	پر فتح دی ہے، یہ مقام عمان، بحرین،
سفن البحر من عمان والبحرین	فارس، ہندوستان اور چین سے
وفارس والھند والصین۔	آنے والے جہازوں کی بندرگاہ ہے۔

جب ابلہ کے قریب ۱۴ھ میں بصرہ آباد ہوا تو اس کی تجارتی مرکزیت کی وجہ سے بعض صحابہ نے یہاں تجارتی کاروبار کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ حضرت نافع بن حارث بن کلدہ ثقفی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یا امیر المومنین انی قد أقلیت	اے امیر المومنین! میں نے بصرہ میں ایک جگہ
فلاءً بالبصرۃ واتخذت	اپنے لیے گھیر رکھی ہے اور وہاں پر تجارتی
بھا تجارۃ۔[1]	کاروبار شروع کر دیا ہے،

حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہ بن غزوان کو اس بارے میں ایک سفارش لکھ دی؛

ابلہ کے بعد خلیج عربی کے سواحل پر ظفار اور صحار ہندوستانیوں کی بحری تجارت کے قدیم مرکز تھے، فجر الاسلام میں ہے:

وفی مشرق حضرموت ظفار	حضرموت کے مشرق میں ظفار قدیم
وھی من قدیم مصدر للتوابل	زمانہ سے گرم مسالوں، خوشبوؤں اور
والطیب وبخور المعابد	عبادت گاہوں کے بخور کی منڈی ہے۔
ولا یزال الی الیوم یرسل فیھا	اور آج بھی یہاں پر ہندوستان
الی الھند۔[2]	مال بھیجا جاتا ہے۔

جاہلی دور کے خاص خاص بازاروں میں عمان کے سوق صحار اور سوق دبا (دوبئی) بہت مشہور تھے، جن میں سندھ، ہند، چین اور مشرق و مغرب کے غیر ملکی تاجر جمع ہوتے تھے،

[1] الاخبار الطوال ص ۱۱۷ [2] فجر الاسلام ج ۱ ص ۳

ان کا نگراں مقامی حاکم جلندی بن مستکبر تھا، جو تاجروں سے عشر لیتا تھا۔[1]

جنوبی عرب میں ہندوستانیوں کی بحری تجارت کا اہم مرکز یمن تھا جس میں صنعاء، قصر غمدان، مآرب، نجران اور عدن جیسے بڑے بڑے شہر شامل تھے، ابن خرداذبہ نے عدن کے بارے میں لکھا ہے:۔

وبها العنبر، والعود، والمسك	یہاں پر عنبر، عود، مشک ملتا ہے،
ومتاع السند والهند، والصين	اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ،
والزنج والحبشة وفارس	فارس، بصرہ، جدہ اور بحر قلزم کے
والبصرة وجدة وقلزم[2]	سامان اور مال رہتے ہیں۔

یمن کی قدیم تجارت میں ہندوستانی اشیاء کی کثرت اور ان کی نکاسی کا اندازہ اس بیان سے ہوتا ہے:۔

وكانت التجارة قديما في يد	قدیم زمانہ میں تجارت اہل یمن کے ہاتھ
اليمنيين وكانوا هم العنصر	میں تھی، اور یہ لوگ تجارت پر غالب عنصر
الظاهر فيها فعلى يدهم كانت	تھے، ان کے ہاتھوں حضرموت اور
تنتقل غلات حضرموت و	ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں
ظفار وواردات الهند الى الشام ومصر[3]	شام اور مصر جایا کرتی تھیں۔

ایلہ، صحار اور عدن کی طرح عرب کے مغربی علاقہ میں بحر احمر کی مشہور قدیم بندرگاہ جار بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، یہاں پر مصر اور حبشہ کی طرح بحرین اور مشرق بعید چین تک سے تجارتی جہاز آتے تھے، جار چونکہ مدینہ منورہ کی قریبی بندرگاہ تھی، اس لیے یہاں کا مال مدینہ اور اطراف کی بستیوں میں کثرت سے فروخت ہوتا تھا، خاص شہر مدینہ کے

---

[1] کتاب المحبر ص ۲۶۶ طبع حیدرآباد اور کتاب الامکنۃ والازمنۃ ج ۲ ص ۱۶۳ طبع حیدرآباد۔
[2] المسالک والممالک ص ۶۱ [3] فجر الاسلام ج ۱ ص ۱۳

علاوہ اطراف وجوانب میں مالدار یہودیوں کی آبادیاں تھیں اور بازار لگتے تھے اس لیے جار کی بندرگاہ پر بھی ہندوستانی سامان تجارت بہ کثرت آتے تھے، مدینہ اور اس کے اطراف کی تجارت بہت کامیاب تھی، اسی لیے جب صحابہ کرامؓ ہجرت کرکے مدینہ آئے تو ان میں سے اکثر حضرات نے تجارتی کاروبار شروع کرکے ترقی کی، عرام بن الاصبع سلمی قدیم ترین عرب جغرافیہ داں گذرا ہے، اس نے اپنی کتاب "اسماء جبال تہامہ وسکا نہا وما فیہا من القری" الخ میں جار کے بارے میں لکھا ہے:۔

والجار علی شاطی البحر،	جار بحر احمر کی ساحلی بستی ہے، یہاں پر
ترفأ الیہ السفن من ارض	حبشہ اور مصر سے اور بحرین اور چین سے
الحبشۃ، ومصر ومن البحرین	جہاز آکر لگتے ہیں، یہاں پر علاقائی سرکاری
والصین وبہا منبر، وھی	مرکز ہے، یہ بستی بہت بڑی اور آباد ہے یہاں
قریۃ کبیرۃ آھلۃ.	کے لوگ تالاب سے پینے کا پانی حاصل
وشرب اھلہا من البحیرۃ.	کرتے ہیں، اور جار میں بہت سے قلعہ جات
وبالجار قصور کثیرۃ	ہیں، جار کی نصف آبادی سمندر کے
ونصف الجار فی جزیرۃ من البحر	اندر جزیرہ میں ہے اور نصف آبادی
ونصفہا علی الساحل، ویحذاء	ساحل پر ہے، جار کے محاذات میں
الجار جزیرۃ فی البحر تکون	سمندر کے اندر ایک اور جزیرہ ہے،
میلاً فی میل لایعبر الیہا الا	جو ایک میل لمبا چوڑا ہے، کشتیوں کے
فی السفن، وھی مرفاء	ذریعہ وہاں جایا جاتا ہے، یہ جزیرہ خاص
الحبشۃ خاصۃ یقال لہا	طور سے حبشہ کے جہازوں کی بندرگاہ
قراف، وسکانہا	ہے اس کو قراف کہتے ہیں۔ یہاں
تجار کنحو اھل الجار،	کے باشندے تاجر ہیں جیسا کہ جار کے

یوتون بالماء من ... باشندے تاجر ہیں، یہاں کے لوگ دو فرسخ
فرسخین[1] ... سے پینے کا پانی لاتے ہیں۔

مدینہ کی یہ بندرگاہ قدیم مسافت کے حساب سے مدینہ سے ایک رات ایک دن کی دوری پر واقع ہے۔

غالب گمان ہے کہ مدینہ میں ہندوستان کی جو اشیاء فروخت ہوتی تھیں وہ بحرین سے براہ سمندر جار آتی تھیں، کیونکہ ریگستان کے دور دراز راستے کے مقابلے میں یہ آسان تھا، جب اس بندرگاہ پر چین تک کے تجارتی جہاز آتے تھے تو عرب اور چین کے درمیان کے ملک ہندوستان سے تجارتی اشیاء، براہ راست یہاں جاتی رہی ہوں گی۔

اندرون عرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز مکہ مکرمہ

یمن اور عدن مشرقی دنیا کے تجارتی مال کی قدیم منڈی تھے، جہاں سے دوسرے ممالک میں عرب تاجروں کے ذریعہ مال جایا کرتا تھا، مگر بعد میں ایرانیوں اور رومیوں کے عمل دخل کی وجہ سے یہاں کی تجارت پر زوال آگیا، بحر احمر پر رومیوں کے غلبہ کے بعد جب یمنیوں کی تجارت کمزور پڑنے لگی تو اہل یمن نے بحری راستہ کے بجائے اندرون عرب کے بری راستوں سے غیر ملکوں کا تجارتی سفر شروع کیا، یہ راستہ حضرموت سے شروع ہوتا تھا اور بحر احمر کے اوپر صحرائے نجد سے بچتا ہوا مکہ مکرمہ تک جاتا تھا، جس کی وجہ سے مصر و شام اور یمن کے درمیان مکہ بہت بڑی منڈی بن گیا، اور حجازیوں میں تجارت خوب چلی، خاص طور سے قریش نے جنوب میں یمن کا اور شمال میں شام کا تجارتی سفر شروع کیا، قرآن حکیم نے رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ میں ان ہی تجارتی اسفار کو بیان کیا ہے، اطراف عرب سے لوگ حجاز کے تجارتی اور مرکزی شہر مکہ میں آتے اور ہر قسم کے ملکی اور غیر ملکی سامان آسانی سے حاصل کرتے، مکہ کا سب سے بڑا سالانہ بازار عکاظ میں ہوتا

---

[1] کتاب اسماء جبال تہامہ وسکانہا دما فیہا من القریٰ، مطبوعہ قاہرہ ص ۹ و ۱۰

تھا، جو طائف کے راستہ میں ایام حج کے قریب لگتا تھا، اور اسی کے قریب ایام حج میں ذو المجاز کا بازار لگتا تھا، اور مکہ سے بڑے بڑے تجارتی قافلے باہر جاتے تھے، طبری کی تشریح کے مطابق بعض اوقات ان قافلوں میں ۱۵۰۰ باربردار اونٹ ہوا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات ان تجارتی قافلوں میں نکلتے تھے، چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں اور دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں ملک شام کا تجارتی سفر فرمایا، ایک مصری فاضل کا بیان ہے۔

كانت مكة محطاً لاصحاب القوافل	مکہ جنوب عرب سے آنے والے
الآتية من جنوب العرب تحمل	قافلوں کی منزل تھا، یہ قافلے ہندستان
بضائع الهند واليمن الى الشام	اور یمن کے سامانِ تجارت شام اور
ومصر ينزلون بها ويسقون	مصر لے جاتے تھے اور مکہ میں قیام
من بئر شهيرة بها تسمى بير	کرکے وہاں کے مشہور کنویں زمزم
زمزم ويأخذون منها	سے سیراب ہوتے اور آگے کے لیے
حاجتهم من الماء [1]	بقدرِ ضرورت پانی لیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کچھ پہلے جزیرۃ العرب ایرانی اور بیزنطینی طاقتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ بیزنطینی اقتدار حبشہ کے تعاون سے اپنا اثر بڑھا رہا تھا، اور ایرانی حکومت اپنا کام کر رہی تھی، اس کشمکش میں شامی علاقہ کی تجارت خراب ہونے لگی، اور بیزنطینی اقتدار کے لیے عرب کے بازاروں سے عمدہ عمدہ اشیاء نایاب ہونے لگیں، خاص طور سے یورپ کے گرجاؤں اور پادریوں کے لیے ہندوستان کے عمدہ ریشمی کپڑوں کا قحط پڑ گیا، اس لیے رومیوں نے بحر احمر کی راہ سے حضرموت اور یمن وغیرہ کی منڈیوں پر قبضہ جمایا، اور چونکہ حبشہ اور روم کا مذہب مسیحی تھا اس لیے مذہب کے نام پر حبشہ کے بادشاہ

---

[1] المجمل فی تاریخ الادب العربی ص ۲۷ مطبع امیریہ قاہرہ

اور عوام کو رومیوں نے اپنی مدد کے لیے آواز دی،

وارسل الامبراطور البیزنطی	بیزنطی (رومی) شہنشاہیت نے
جوستنیان (۵۲۷ء۔۵۶۵ء)	جوستنیان نامی ایک سفیر کو شاہ حبشہ
سفیرا الی ملك الحبشة	کے پاس بھیجا، اور دین و مصلحت
اهاب باسم الدین والمصلحة	کے نام پر کہا کہ وہ اور حمیر کا بادشاہ
ان یقوم هو والسمیفع حاکم	سمیفع دونوں ایرانیوں سے ہماری
حمیر بقتال الفرس وان	طرف سے جنگ کریں اور یہ کہ حبشہ کے
یتولی الاحباش شراء الحریر	تاجر ہندوستانیوں سے ریشمی کپڑے
من الهنود، ثم یبیعونه بدورهم	خریدیں اور روم کا تجارتی سفر کر کے
الی بیزنطة فیجنون ارباحا	ان کو بھاری نفع پر فروخت
طائلة [1]	کریں۔

اس صورت حال سے مکہ کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور براہ خشکی یمن و عدن سے تجارت شروع کر دی، قریش نے اس سلسلہ میں دو تجارتی سفروں کا طریقہ اختیار کیا، ال کی خریداری کے لیے جاڑے میں یمن اور حبشہ کا سفر اور فروخت کرنے کے لیے گرمی میں شام کا سفر،

ابتدا میں قریش میں تجارتی کاروبار قریش بنی مخزوم کیا کرتے تھے، بعد میں جب ترقی ہوئی تو بنی ہاشم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن تک مکہ کا تجارتی مرکز پورے طور پر قائم تھا۔

مکہ چونکہ تجارتی مرکز بن گیا تھا، اس لیے یہاں کی تمدنی زندگی میں بھی بڑی ترقی ہو گئی تھی، زبان میں بھی وسعت پیدا ہو گئی تھی، اور قریش کی یہی زبان قرآن اور اسلام کی زبان

---

[1] تاریخ العرب از بردکو بیو میں بحوالہ مجلۃ العربی کویت ذو الحجہ ۱۳۸۳ھ

قرار پائی، چنانچہ قرآن وحدیث میں بہت سے ہندوستان میں بولے جانے والے الفاظ پائے جاتے ہیں، قرآن میں کافور (کپور) زنجبیل (زنجابیر) مشک (موشکا) وغیرہ ہندوستانی الفاظ ہیں جن کو قریش نے اپنے طور پر معرب کر لیا تھا، احادیث میں قسط (کُٹھ) زط (جاٹ) عود ہندی مشک وغیرہ کے نام ملتے ہیں، جو ہندوستانی نام ہیں، نیز مکہ میں ہندوستان کے لوگ رہتے تھے، جیساکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جاٹوں کا تذکرہ ہے اور حضرت کعب بن مالکؓ کے ایک شعر میں ہندوستان کے لوہاروں کا ذکر ہے۔

عرب کے خاص خاص مقامات سے منسوب ہندوستانی اشیاء

عرب میں ہندوستانی تجارت کے ان بڑے بڑے مرکزوں کے علاوہ بعض بعض علاقوں میں ہندوستان کی چیزیں اس قدر مشہور ہو گئی تھیں کہ ان ہی علاقوں کے نام سے منسوب تھیں، حالانکہ وہ ہندوستانی ہوتی تھیں۔

خط

مثلاً خطی ان نیزوں کو کہتے تھے جو ارض خط کی طرف منسوب تھے، حالانکہ وہ دراصل ہندوستان کے بید اور بانس سے بنتے تھے، خط بحرین اور عمان کے پورے ساحل کو کہتے ہیں، جس میں قطیف، عقیر اور قطر جیسے بڑے بڑے علاقے شامل تھے، ان علاقوں میں ہندوستان کے بید اور بانس سے بھری ہوئی کشتیاں جاتی تھیں، اور ان سے نیزے بنائے جاتے تھے[1]، اسی طرح سمہری نیزے جو عرب میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اسی علاقہ خط میں تیار ہوتے تھے، اور سمہر نامی ایک شخص ان کو ہندوستان کی لکڑیوں سے تیار کر کے فروخت کرتا تھا[2]۔

دارین

نیز بحرین کے علاقہ میں دارین نام کی ایک مشہور بندرگاہ تھی، جہاں کا ہندوستانی مشک سارے عرب میں مشہور تھا، عربی ادبیات و اشعار میں مشک دارین اور داری کے نام سے اس کا تذکرہ ملتا ہے، لسان العرب میں خطی نیزے کے بیان کے ضمن

---

[1] لسان العرب جلد ۷ ص ۲۹۰ [2] لسان العرب ج ۴ ص ۳۸۱

لکھا ہے :-

کما قالوا مسك دارین ولیس	جیسے مشک دارین کہتے ہیں، حالانکہ مقام
هنالك مسك ولکنها مرفأ	دارین میں مشک نہیں ہوتا، بلکہ وہاں
السفن التی تحمل المسك من	کشتیوں کی بندرگاہ ہے جو ہندوستان سے
الهند[1]	مشک لاتی ہیں،

اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا علاقہ خط اور علاقہ دارین ہندوستان کے تجارتی مال کے لیے مشہور تھا، اور یہاں پر ہندوستان سے آئے ہوئے بید اور بانس اور مشک اندرون عرب جاتے تھے، اور ان کی بھاری مقدار یہاں ہر وقت موجود رہتی تھی،

عرب کے بڑے بڑے موسمی اور مقامی بازار

ابلہ، صحار اور یمن وعدن ہندوستانی مال کی خاص منڈی تھے، جہاں سے پورے عرب اور ایران، مصر اور روم تک اس کا مال جاتا تھا، ان کے علاوہ اندرون عرب جو بازار خاص خاص موسموں میں ہوا کرتے تھے، ان میں بھی ہندوستانی مال کی کثرت سے خرید و فروخت ہوتی تھی، علامہ ابوعلی مرزوقی نے کتاب الازمنہ والامکنہ میں اسواق عرب کا نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب میں کل تیرہ بڑے بڑے بازار لگتے تھے، جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں:- (۱) دومۃ الجندل (۲) صحار (۳) دبا (۴) شحر (۵) رابیہ حضرموت (۶) ذوالمجاز (۷) نطاۃ خیبر (۸) مشقر (۹) منیٰ (۱۰) حجر (۱۱) عکاظ (۱۲) عدن (۱۳) صنعاء۔

دومۃ الجندل

دومۃ الجندل کا بازار اپنے محل و قوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا تھا، یہاں سے مدینہ اور کوفہ تیرہ تیرہ مرحلے پر تھے، اور دمشق دس مرحلے پر تھا، یہ بازار غرۂ ربیع الاول سے شروع ہو کر نصف ماہ تک پورے زور پر رہتا تھا، اور آخر مہینہ تک چلا جاتا تھا، اس کے قریب بنو کلب، بنو جدیلہ اور بنو طے آباد تھے،

---

[1] لسان العرب ج ۷ ص ۲۹۰

اور دو حکمران اکیدر عبادی، اور قنافہ کلبی یہاں پر ٹیکس وصول کرتے تھے، اور ان ہی سے اس کا افتتاح ہوتا تھا۔

مشقر مشقر مقام ہجر (بحرین) میں واقع ہے، دومۃ الجندل سے تاجر اور خریدار اُٹھ کر یہاں آتے تھے، یہ بازار پہلی جمادی الاخریٰ سے آخر مہینہ تک لگتا تھا، اس کے اطراف میں بنو عبد القیس، اور بنو تمیم آباد تھے، بنو تمیم جو منذر بن ساوی سے تعلق رکھتے تھے، یہاں کا نظم و نسق سنبھالتے تھے، ان کی حیثیت شاہان فارس کے نائب کی تھی، اس بازار میں اہل فارس براہ خشکی بڑی کثرت سے آتے تھے، اور ان کی تجارت خوب چلتی تھی،

صُحار صحار کا بازار پہلی رجب سے بیسؔ رجب تک لگتا تھا، اور مشقر کی ساری رونق یہاں سمٹ آتی تھی جو لوگ کسی وجہ سے پہلے دونوں بازاروں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، وہ سوق صحار میں شریک ہوتے تھے، یہاں عرب حکمران جلندی عشر وصول کرتا تھا،

دبا دبا (دبیٰ) کا بازار صحار کے بعد لگتا تھا، یہ مقام ہندوستان کے تجارتی جہازوں کے لیے بہت بڑی بندرگاہ تھا، ہندوستان، سندھ، اور چین غرض کہ مشرق و مغرب کے تاجر یہاں جمع ہوتے تھے،

وکانت احدی فرض الهند	دبا ہندوستان کی بندرگاہ تھی، جہاں ہندستان
یجتمع بها تجار الهند والسند	سندھ اور چین بلکہ مشرق مغرب کے تاجر
والصین واهل المشرق والمغرب[1]	جمع ہوا کرتے تھے۔

سوق دبا کی ابتدا رجب کے آخری دن ہوتی، یہاں بھی ہر قسم کے مال کی بڑی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

شحر مہرہ شحر مہرہ کا بازار اس پہاڑ کے درمیان میں لگتا تھا جس پر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے، سوقِ دبا کے بری اور بحری تاجر اٹھ کر یہاں آجاتے، اس کا

---

[1] کتاب الازمنہ والامکنہ مرزوقی ج ۲ ص ۱۶۳ طبع حیدرآباد، و کتاب المحبر ص ۲۶۶ طبع حیدرآباد

عدن ۱ تا نصف شعبان تھا، یہاں عشر وغیرہ نہیں لیا جاتا تھا۔ پھر شحر مہرہ سے تاجر اور خریدار اکثر عدن آتے تھے، بحری تاجروں میں وہی لوگ یہاں پر آتے جن کا تمام مال پہلے بازاروں میں فروخت نہیں ہوتا تھا، وہ یہاں آکر باقی مال فروخت کرتے تھے، اسی طرح خریداروں میں بھی وہی زیادہ ہوتے جو دوسرے بازاروں میں نہیں پہنچ سکتے تھے، سوق عدن پہلی رمضان سے بیس تک رہتا تھا، یہاں کے منتظم ملوک حمیر تھے جو عشر لیتے تھے، آخر میں ابنائے فارس یہ رقم وصول کرنے لگے تھے، ان کے حسن انتظام کی دھوم دھام ہندوستانی تاجروں میں اس قدر تھی کہ پورے ہندوستان میں اس کا چرچا تھا۔

حتی ان تجار البحر لترجع	بحری تاجر یہاں کے حسن کارکردگی کا تذکرہ
بالطیب المعمول تفخر به	سندھ اور ہندوستان میں
فی السند والھند وتتحدث به	کرتے تھے، اور بری تاجر اسے پورے
تجار البر الی فارس لہ	فارس میں جا کر بیان کرتے تھے۔

صنعاء عدن کے بعد صنعاء کا بازار نصف رمضان سے شروع ہو کر آخر تک رہتا تھا، یہاں کپڑے، لوہے، روئی، زعفران اور مختلف رنگوں کی تجارت خوب ہوتی تھی،

رابیہ پھر صنعا کا یہ بازار ختم ہو کر دو بازاروں میں منقسم ہو جاتا تھا، یعنی سوق رابیہ حضر موت اور سوق عکاظ، یہ دونوں بازار ایک ہی وقت میں نصف ذی قعدہ میں لگتے تھے، چونکہ رابیہ حضر موت کے بازار کا منتظم اور نگراں کوئی نہیں ہوتا تھا، اس لیے تاجر اس کی طرف کم توجہ کرتے تھے،

عکاظ سوق عکاظ نجد کے بالائی علاقہ میں عرفات کے قریب لگتا تھا، یہ پورے عرب کا سب سے بڑا بازار تھا، اس میں قریش مکہ، ہوازن، غطفان، خزاعہ، اور

لہ کتاب الازمنہ والامکنہ ج ۲ ص ۱۶۴

احابیش یعنی حارث بن عبد مناة، عضل، مصطلق اور دوسرے عرب قبائل ہوتے تھے، نصف ذی قعدہ سے غرۂ ذوالحجہ تک رہتا تھا، یہاں کسی قسم کا ٹیکس نہیں تھا، اس میں نہایت عمدہ اور نایاب سامان فروخت ہوتا تھا، جو عرب کے کسی بازار میں نہیں ملتا تھا، ملوکِ یمن اور ملوک حیرہ یہاں پر عمدہ تلواریں، نفیس حلے، قیمتی سواریاں، مشک، عود اور دوسری قیمتی چیزیں تجارت کے لیے بھیجا کرتے تھے، عربوں میں جو ان کی بولی بولتا اور ان کو خریدتا، وہ بہت ہی معزز سمجھا جاتا، اور اسے ان بادشاہوں کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا،

ذوالمجاز ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی عکاظ کا بازار لوٹ کر ذوالمجاز میں منتقل ہوجاتا تھا، اور یہاں کے تمام تاجر وہاں پہنچ کر خرید وفروخت میں مشغول ہوجاتے، یہ مقام عکاظ سے بہت قریب ہے، ذوالمجاز میں لوگ یوم ترویہ تک مقیم رہتے، عرب کے حجاج اور دوسرے بازاروں میں نہ شریک ہونے والے افراد عام طور سے سوق ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے،

دوسرے اسواق ان بازاروں کے علاوہ سوق نطاۃ خیبر اور سوق حجر یمامہ میں خرید وفروخت کی سرگرمیاں ہوا کرتی تھیں، بعضوں نے مجنہ کو بھی اسواقِ عرب میں شمار کیا ہے، یہ مقام ذوالمجاز اور سقی سے قریب حضر موت کے پیچھے واقع ہے، سوق دیراوب بھی ایک بازار تھا، اور سوق بصریٰ بھی ۲۵ دن تک ہوتا تھا، جو بنوامیہ کے زمانہ تک جاری رہا اور چالیس دن تک رہتا تھا، نیز سوق اذرعات پانچویں صدی تک جاری رہا، یہ اس دور میں عرب کے بازاروں میں سب سے بڑا بازار ہوتا تھا[1]

عربی ادبیات میں ہندوستان کی اشیاء کا ذکر جیسا کہ گذشتہ بیان سے معلوم ہوگیا عرب میں قدیم زمانہ سے ہندوستان کی بہت سی چیزیں کثرت سے استعمال ہوتی تھیں، اور عربوں کی زندگی میں ان کو بڑی اہمیت

[1] اسواقِ عرب کی تفصیل کے لیے کتاب الازمنہ والامکنہ مرزوقی ج ۲ ص ۱۶۲ و ۱۶۶ ملاحظہ ہو

حاصل تھی، اس کا اندازہ عرب شعراء کے کلام سے بھی ہوتا ہے، جنھوں نے اشعار میں ہندوستان کی چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، اس سلسلے میں چند چیزوں کے نمونے کافی ہیں۔

ہندی تلوار ہندی تلوار عربوں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، اور قدیم زمانے سے ہندوستان کی تلواریں عربوں کی بہادری میں چار چاند لگاتی ہیں، اس کے کئی نام ہیں، سیفِ ہند، ہندی، مہند، ہندوانی اور مُہندوانی اور قلعی۔

شریف ادریسی نے نزہۃ المشتاق میں لکھا ہے کہ جنوبی ہندوستان کے بلاد سفالہ اور بلاد زنج میں لوہے کی کانیں ہیں، مگر یہاں کے باشندے خام لوہا فروخت کرتے ہیں اور ہندوستان کے لوگ اس کی تلواریں بناتے ہیں۔

ولکن الھندیین یحسنون	ہندوستانی ان دواؤں کی ترکیب
تراکیب اخلاط الادویۃ	اچھی جانتے ہیں جن سے نرم لوہا پگھلایا
التی یسبکون بھا الحدید	جاتا ہے، جس کے بعد اسے ہندی لوہا
اللین فیعود ھندیا ینسب الی الھند	کہنے لگتے ہیں، اور یہاں تلوار بنانے
وبھا دور الضرب للسیوف و	کے کارخانے ہیں، اور کاریگر ہر
صُنّاعھم یجید ونھا فضلاً علی غیرھم	ملک کے لوگوں سے اچھی تلوار بناتے
من الامم وکذلک الحدید السندی	ہیں، اسی طرح سندھی لوہا، سرندیپی
والسرندیبی والبیلمانی کلہ	لوہا اور بیلمانی لوہا، آب و ہوا کی
یتفاضل بحسب ھواء المکان	مناسبت، بناوٹ اور ڈھلائی، صیقل
وجودۃ الصنعۃ واحکام	گری اور صفائی وغیرہ کی وجہ سے ہر جگہ
السبک والضرب وحسن الصقل	سے عمدہ ہوتا ہے، ہندوستان
والجلاء ولا یوجد شیٔ	کے لوہے سے زیادہ تیز اور کاٹ
من الحدید امضی من	میں عمدہ کوئی لوہا نہیں ہوتا اور

الحدید الهندی وهذا الشیٔ   اس حقیقت کے انکار کی گنجائش نہیں
مشهور لا یقدر احد علی   ہے؛
انکار فضیلته [1]

عربی شاعری میں ہندی تلوار کا تذکرہ اس کثرت سے آیا ہے جس کثرت سے خود ہندی تلوار استعمال ہوتی تھی، چند مثالیں ملاحظہ ہوں؛

زہیر بن ابی سلمیٰ نے کہا ہے۔

کالهند وانی لا یخزیك مشهده   وسط السیوف اذا ما تضرب البهم

(دوسری تلواروں کے درمیان میں ہندی تلوار تم کو میدان جنگ میں ناکام نہیں کرسکتی جبکہ اسلحہ بند لشکر میں جنگ ہو)

طرفہ بن عبد نے اپنے معلقہ میں کہا ہے:۔

وظلم ذوی القربی أشد مضاضةً   علی المرء من وقع الحُسام المهنّد

(آدمی کے لیے اپنوں کا ظلم ہندی تلوار سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

درید بن صمہ نے کہا ہے:۔

وتخرج منه صرّة القرّ جزأةً   وطول السری دُرّیّ عضب المهند

(سردی کی شدت ٹکڑے ٹکڑے کرکے نکالتی ہے اور اس حالت میں رات کا طویل سفر ہندی تلوار کی کاٹ ہوتا ہے)

ایک شاعر نے کہا ہے؛

أعن لی علی الهندی مهلاً وکرّةً   لدی برك حتی تدور الدوائر [2]

(میری ہندی تلوار کو زنگ سے بچاؤ اور صیقل کردتا کہ برک (ماہ ذوالحجہ) میں لڑائیاں چھڑ جائیں)

فرزدق نے قلعی یعنی مقام کلہ کی بنی ہوئی عمدہ تلواروں کا ذکر یوں

---

[1] وصف الهند وما یجاورها من البلاد من کتاب نزهة المشتاق ص ۲ مطبوعہ علی گڑھ
[2] کتاب الازمنہ والامکنہ ج ۱ ص ۲۸۳

کیاہے:

متقلدی قلعیة وصوارم   هندیة، وقدیمة الاثار

(آل مہلب کی کمر میں قلعی تلواریں اور تیز ہندوستانی قدیم تلواریں بندھی رہتی ہیں)

ہندی تلوار پر عہد رسالت میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے اور اسلامی ادبیات میں اس کا ذکر بہت شاندار طریقے پر آیا ہے، اس کی مثالیں اپنے موقع پر آئیں گی،

خطی اور سمہری یعنی ہندی نیزے

عرب میں ہندی تلواروں کی طرح ہندی نیزے بھی بہت مشہور تھے، جو عموماً عمان سے لیکر بحرین تک کے علاقہ میں تیار کیے جاتے تھے، جسے خط کہتے تھے، اس کے لیے سندھ، گجرات اور بھڑوچ سے بانس اور بید آتے تھے، پھر ان کو یہاں نیزے کی شکل دی جاتی تھی، خطی اور سمہری نیزے خاص ہندوستانی لکڑی کے بنتے تھے، لسان العرب میں ہے: وقد کثر مجیئھا فی اشعارھا (اشعار عرب میں اس کا ذکر بہت کثرت سے آیا ہے) ابوزبید طائی (حرملہ بن منذر) نے کہا ہے:

مسنفات کاقنی قنا الهند   لطول الرجیف جدب المرود[1]

(چارہ ڈھونڈنے والے کے دیر کرنے کی وجہ سے اونٹنیاں اس طرح اکڑی ہوئی تھیں جیسے ہندوستان کے بانس باندھے کھڑے ہوتے ہیں)

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

وهل ینبت الخطی الاوشیجة   ویغرس الامنابتها النخل[2]

(خطی نیزے سے نیزہ ہی اگتا ہے اور کھجور کے درخت نخلستان میں لگائے جاتے ہیں۔)

حاتم طائی نے کہا ہے:-

سأذخر من مالی دلاصا وسابحا   واسمر خطیا وعضبا مهندا[3]

(میں اپنے مال میں سے عمدہ زرہیں، پکے رنگ کے خطی نیزے اور تیز ہندی تلوار محفوظ رکھوں گا)

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۹۴ [2] لسان العرب ج ص ۱۹۰ [3] دیوان حاتم ص ۸۳ طبع بیروت

ابو عطار سندھی نے کہا ہے :-

ذکرتك والخطی یخطر بیننا وقد نهلت منا المثقف السمر

(میں نے تم کو ایسے نازک وقت میں بھی یاد کیا ہے جبکہ میدان جنگ میں خطی نیزے جانبین سے گذر رہے تھے اور سرخ رنگ کے مضبوط نیزے ہمارے خون سے سیراب ہو رہے تھے)

فضل بن عبد الصمد نے کہا ہے :-

انعت قوسا ذی انتقاء جاء بها جالب بروصاء

(اس صاف ستھری کمان کی میں نے تعریف کی ہے جسے بھروچ سے منگانے والے نے منگایا ہے)

نیز اسی نے کہا ہے :-

من شقق خضر بروصیات صفر اللحاء والخلو قیات

(زرد، سبز بھروچی بانس جن کے چھلکے بھی زرد ہیں)

مشک مشک ہندوستان کی مشہور خوشبو ہے، جو یہاں کے مختلف مقامات سے عرب میں جاتی تھی، عرب میں اس کی خاص منڈی بحرین کی بندرگاہ دارین تھی، اسی لیے مشک کا دوسرا نام داری پڑ گیا تھا،

مشہور عربی شاعر امرء القیس نے اپنے معلقہ میں کہا ہے :-

اذا قامتا تضوع المسك منهما نسيم الصبا جاءت بريا القرنفل

(جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی مہک اس طرح پھیلتی ہے جیسے نسیم صبح لونگ کی خوشبو لے کر آئی ہے۔)

نابغہ ذبیانی نے اپنے ممدوح نعمان بن منذر شاہ حیرہ کی تعریف میں یہ دعائیہ شعر کہا ہے :-

وتسقی اذا ما شئت غير مصرد بزوراء فی حافاتها المسك كانع

(جب تم ارادہ کرو تو پوری طرح سیراب کیے جاؤ، زوراء کے محل میں جس کے شراب خانوں میں

نابغہ جعدی نے کہا ہے :-

اَلقیٰ فیہ فلجان من مسک دا ... رین من فلفل حرم

(اس نے دارین کے مشک اور تیز خوشبو کی مرچ کی ملاوٹ کی۔)

ایک اور شاعر نے کہا ہے :-

مسائح فودی راسہ مسبقلۃ ... جری مسک دارین الاحم خلالہا

اس کے اطراف میں دارین کے بہترین مشک کی بہتات ہے۔

فرزدق نے کہا ہے :-

کان تریکۃ من ماء مُزن ... و دارِی الذکی من المدام

(گویا صاف و شفاف پانی اور دارین کے بہترین مشک کی شراب کا چشمہ ہے)

کثیر نے کہا ہے :-

افید علیھا المسک حتی کانہا ... لطیمۃ داری تفتق فارھا[1]

(اس پر مشک یوں لگایا گیا ہے جیسے وہ دارین کے مشک سے لدی ہوئی اونٹنی ہے جس کا نافہ اپنی خوشبو پھیلا رہا ہے)

اعشیٰ نے اپنی محبوبہ کے لعاب کی لذت بیان کرتے ہوئے کہا ہے :-

کان القرنفل والزنجبیل باتا بفیہا داریا مشورا[2]

(شہد کی مٹھاس کے ساتھ گویا لونگ اور سونٹھ دونوں نے اس کے منہ کے اندر مشک داری میں رات بسر کی ہے)

جران العود نے کہا ہے :-

لقد عاجلتنی بالسباب وثوبہا ... جدید ومن اردانہا المسک تنفح

(اس نے مجھے برا بھلا کہنے میں اس قدر جلدی کی کہ ابھی اس کے عروسی کے کپڑے نئے

---

[1] لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۵۴ [2] ایضاً ج ۱۱ ص ۱۳۳

تھے اور اس کی آستینوں سے مشک کی خوشبو آرہی تھی)

زُوبہ نے کہا ہے

ان تشف نفسی من ذباب الحلك   أخربها أطيب من ريح المسك[1]

(اگر میری روح برچھیوں کی دھار سے شفا پائے تو پھر اس کے لیے مشک سے بھی اچھی خوشبو مناسب ہے۔)

فارۃ المسک یعنی نافۂ مشک کا تذکرہ ایک شاعر نے یوں کیا ہے :-

لها فارة ذفراء كل عشية   كما فتق الكافور بالمسك فاتقه

(اس کے لیے ہر شام نافہ کی ایسی خوشبو ہے جیسے کسی نے کافور کو مشک کے ساتھ ملا کر خوشبو اڑائی ہے۔)

نابغہ بنی شیبان نے کہا ہے :-

إذا ما جرى الجادي فوق متونها   ومسك ذكي جففتها المجامر

(جب زعفران اور مشک اس پر بہ پڑتے ہیں تو انگیٹھیاں ان کو ٹھکانے لگاتی ہیں۔)

تدعبق العبير بها ومسك   يخالطه من الهندي عود

(اس کے جسم زعفرانی پر خوشبو اور عود ہندی میں ملا ہوا مشک لپٹا ہوا ہے۔)

كان على انيابها بعد هجعة   صبابة ماء الثلج بالعسل المحض

فلما تنايفح المسك جيبها   اذا انفضت كادت تميل من النهض

بیداری کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبوبہ کے دانت پر برف کے پانی کے قطرے ہیں جو خالص شہد لیے ہوئے ہیں اور جب جب وہ ہمارے سامنے آتی ہے تو اس کے گریبان سے مشک جھڑتا ہے اور جب اٹھنا چاہتی ہے تو نزاکت کی وجہ سے اس میں لچک پڑ جاتی ہے۔

---

[1] لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۸۷

بشر بن ابی خازم نے کہا ہے :-

نقد اوقرن من قسط و رند   ومن مسک اجم ومن سلاح

(وہ کشتیاں قسط، خوشبو، مشک اور سامان جنگ بہت زیادہ لائی ہیں)[1]

یزید بن قیس کلابی نے عہد فاروقی کے ایک عامل کی شکایت کرتے ہوئے کہا ہے :-

اذا التاجر الهندی جاء بفارة   من المسک صحت فی سوالفهم تجری

جب ہندوستانی تاجر نافۂ مشک لاتا ہے تو ان کی گردنوں میں گویا خوشبو کا دریا بہنے لگتا ہے

فتوح البلدان میں اذا التاجر الداری ہے۔[2]

عود عود (اگر) ہندوستان کی مشہور لکڑی، اور عربوں کی مرغوب ترین خوشبو ہے، اس کو عود ہندی، عود صنفی، عود قماری، عود مندلی، عود کلہی کے ناموں سے یاد کرتے ہیں، بلکہ کبھی صرف ہندی، قماری اور مندلی کی نسبت سے عود مراد لیتے ہیں، عدی بن رقاع نے لکھا ہے :

رأیت نارا بت ارمقها   تقضم الهندی والغارا

ایسی آگ کو دیکھ کر میں نے رات بسر کی ہے جو عود ہندی اور غار کے درخت کو کھائے جا رہی تھی،

نابغہ شیبانی نے کہا ہے :-

قد عبق العبیر بها ومسک   یخالطه من الهندی عود

اس کے جسم پر زعفرانی خوشبو اور عود ہندی میں مخلوط مشک لپٹا ہوا ہے۔

عمرو بن لطنابہ جاہلی کہتا ہے :-

اذا ما مشت نادی بما فی ثیابها   ذکی الشذا والمندلی المطیر

جب محبوبہ چلتی ہے تو اس کے حسن کی منادی تیز خوشبو اور اڑنے والی مندلی عود کیا کرتی ہے

ابراہیم بن علی ابن ہرمہ نے کہا ہے :-

---

[1] الاصابہ ج ۱ ص ۱۱۴ و ایضاً ج ۳ ص ۶۳۶ [2] فتوح البلدان ص ۳۴۴

كأن الركب اذا طرقتك باتوا بمندل او بقارعتي قمار ١

(اہل قافلہ جب رات کو تیری طرف پہنچے تو تیری ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسے وہ مندل یا قمار میں ہیں

کافور کافور عربی زبان میں کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے، کافور، قفور اور قافور، یہ ہندی لفظ کپور کا معرب ہے، یوں تو کافور عرب کے ہر بڑے بازار میں فروخت ہوتا تھا، لیکن دارین جس طرح ہندی مشک کی بہت بڑی منڈی تھا، اسی طرح کافور کا بازار بھی تھا اور یہیں سے دوسرے علاقوں میں کافور جاتا تھا۔

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:۔

كأن تراضاب المسك فوق لثاتها وكافور داري وراحا تصفق

(اس کے مسوڑھوں کے اوپر گویا دارین کا کافور اور شراب دونوں مل رہے ہیں)

داری کی تشریح دیوان نابغہ کے حاشیہ میں یوں ہے:۔

الداري العطار منسوب	داری عطر فروش دارین کی طرف منسوب ہے
الى دارين وهي فرضة بالبحرين	جو بحرین کی بہت بڑی بندرگاہ ہے؛ وہاں پر
يحمل اليها المسك من الهند ؎	ہندوستان سے مشک لایا جاتا ہے۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:۔

لها فارة ذفراء كل عشية كما فتق الكافور بالمسك فاتقه

اس کے لیے ہر شام نافۂ مشک کی خوشبو ہوتی ہے، جیسے کسی نے کافور اور مشک ملا کر خوشبو اڑائی ہو

نیز نابغہ شیبانی نے کہا ہے:۔

شيبت بكافور وماء قرنفل وبماء موهبة يسم فدامها

وہ کافور، لونگ کے پانی اور شیریں پانی میں ملائی گئی ہے اور ڈھکن کے اوپر سے بہہ رہی ہے

؎ دیوان نابغہ بنی شیبان ص ۳

كأنّ مدامة ورضاب مسك ... وكافوراً ذكيا لم يغش

(وہ گویا شراب اور مشک محلول، اور نیز خوشبو کا کافور ہے جس میں ملاوٹ نہیں کی گئی ہے،

زنجبیل زنجبیل ہندی زنجابیر کا معرب ہے، جس کے معنی سونٹھ کے ہیں۔ تازہ زنجبیل کو ادرک کہتے ہیں، اسے عرب خشک اور تر دونوں طرح سے استعمال کرتے تھے، اور اس کی خوشبو ان کے یہاں بہت مرغوب و مشہور تھی، لسان العرب میں ہے:۔

والعرب تصف الزنجبيل	عرب سونٹھ کی خوشبو کی تعریف کرتے ہیں
بالطيب وهو مستطاب عندهم	اور وہ ان کے یہاں بہت ہی مرغوب اور
جدّاً	پسندیدہ ہے،

اعشیٰ کا یہ قول گذر چکا ہے:۔

كأنّ القرنفل والزنجبيل باتا بفيها وأريا مشورا

اس کے لعاب دہن کی لطافت و نکہت کا حال یہ ہے کہ جیسے اس کے منہ کے اندر شہد کے ساتھ لونگ اور سونٹھ نے مشک داری میں رات گذاری ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے:۔

وزنجبيل عاتق مطيب[1]

سونٹھ ملی ہوئی پرانی خوشگوار شراب

قرنفل قرنفل (لونگ)، کو عرب قرنفول بھی کہتے ہیں، یہ کرن پھول کا معرب ہے، عربی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آیا ہے، لسان العرب میں ہے:۔

وقد كثر في كلامهم وأشعارهم	اس کا تذکرہ کلام عرب میں کثرت سے آیا ہے،

چنانچہ ایک شاعر نے کہا:۔

وبابي ثغرك ذاك المعسول ... كأنّ في أنيابه القرنفول

[1] لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۱۳

(میں تیرے اس شیریں دہن پر قربان جاؤں، جس کے دانتوں میں گویا لونگ ہے جس کی خوشبو پھیل رہی ہے۔)

ایک اور شاعر نے کہا:۔

وخودة اناة کالمهاة عطبول کأنّ فی انیابها القرنفول[1]

(وہ نیل گاؤ کی طرح سیاہ آنکھوں والی نازنین جس کے دانتوں میں گویا لونگ خوشبو لیے ہوئے ہے۔)

امرء القیس نے کہا ہے:۔

اذا قامتا تضوع المسك منهما نسيم الصبا جاءت بريا القرنفل

(جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی خوشبو پھیلتی ہے گویا نسیم لونگ کی خوشبو لائی ہے۔)

نابغہ شیبانی نے کہا ہے:۔

من الخضرات خلت ضاب فيها سلافة قرقف شيبت بمسك

(یا حیادو شیزاؤں کے لعاب دہن ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ لونگ کی شراب ہے جس میں مشک ملا ہوا ہے)

فلفل | فلفل پیپالا یا پیپالا (مرچ) کا معرب ہے، عربی میں اس سے صیغے بھی بنائے گئے اور مفلفل اس چیز کو کہتے ہیں جس میں فلفل کی خوشبو ملائی گئی ہو، لسان العرب میں ہے:۔

وقد كثر مجيئه فی کلامهم[2] (اس کا تذکرہ کلام عرب میں کثرت سے آیا ہے)

چنانچہ امرء القیس نے کہا ہے:۔

كأنّ مكاكي الجواء غدية صبحن سلافا من رحيق مفلفل

(مقام جواء کی مرغابیاں ایسی حواس باختہ تھیں گویا ان کو مرچ ملی ہوئی بہترین صباحی پلائی گئی ہو)

---

[1] لسان العرب ج ۴ ص ۵۵۶ [2] لسان العرب ج ۴ ص ۵۳۲

ساج ساج (ساگوان) ہندوستان کی بہترین عمارتی لکڑی ہے، جو قدیم زمانہ سے عرب میں استعمال ہوتی تھی، اور بڑی مقدار میں یہاں سے جاتی تھی، جس سے دروازے، کواڑ، ستون اور چھت وغیرہ بنانے میں کام لیا جاتا تھا، عام طور سے ہندوستان سے اس کی بلّیاں عرب جاتی تھیں، جن کو حسب ضرورت کاٹ لیا جاتا تھا، اس سالم بلّی کو عرب ساجہ کہتے تھے۔ یہ لکڑی عام طور سے کوکن کے علاقے سے بھیجی جاتی تھی،

نابغہ شیبانی نے کہا ہے :-

وقبة لا تكاد الطير تبلغها اعلى محاربها بالساج مسقوف[1]

(اس قبہ کی بلندی کو پرندے بھی نہیں پہنچ سکتے، اس کی سب سے اونچی محراب پر ساگوان کی چھت بنی ہے۔)

احادیث میں ساج کا ذکر آیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بنا ہوا سامان استعمال فرمایا ہے،

قسط قسط کا لفظ ہندی گٹھ کا معرب ہے، اسے کُست اور کُسط بھی کہتے ہیں یہ ہندوستان کی مشہور دوا ہے، جو عرب میں بہت مشہور تھی، اور مختلف بیماریوں میں استعمال کی جاتی تھی، بشر بن ابی خازم اسدی نے تجارتی کشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے :-

فقد اوقرن من قسط وريند ومن مسك اختم ومن سلاح

یہ کشتیاں بھاری مقدار میں قسط، عود، مشک اور اسلحہ سے لادی گئیں۔

احادیث میں قسط ہندی کے بڑے فضائل و فوائد آئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال کی تاکید فرمائی ہے،

داذی داذی ہندی لفظ تاڑی کا معرب ہے، اگرچہ تاڑی عرب میں بھی ہوتی تھی، لیکن ابن خرداذبہ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند سے بھی تاڑی عرب میں

---

[1] دیوان نابغہ بنی شیبان ص ۸۵ [2] دیوان بشر بن ابی خازم اسدی طبع دمشق ص ۴۲

جاتی تھی، ایک شاعر نے اس کا ذکر یوں کیا ہے :-

شربنا من الداذی حتی تخیلنا ملوکا لنا بر العراقین والبحر

ہم نے یوں تاڑی پی کہ نشہ میں یوں بادشاہ بن گئے کہ عراق عرب اور عراق عجم اور سمندر ہمارے قلمرو میں آ گئے۔

اسود بن کریمہ نے کہا ہے :-

قد حسا الداذی صرفا اس نے خالص تاڑی خوب سیر ہو کر پی

سندھی مرغی دجاج سندی یعنی سندھی مرغی اور دیک سندی یعنی سندھی مرغا، ان دونوں کا استعمال بھی عرب میں عام تھا، اور عرب ان سے اچھی طرح واقف تھے، سندھی مرغی کا تذکرہ ابن خردازبہ نے المسالک و الممالک میں، ابن فقیہ ہمدانی نے مسالک الممالک، اور جاحظ نے کتاب الحیوان میں کیا ہے، بلکہ جاحظ نے دجاج سندی کو ان جانوروں میں شمار کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی خصوصیات میں سے بنایا ہے، نیز اس نے لکھا ہے کہ دجاج خلاسی اس مرغی کو کہتے ہیں جو نبطی اور سندھی مرغیوں کی مخلوط نسل سے ہو، اور اگر مرغی خالص سفید رنگ کی اور ہندوستانی ہو تو اسے بیسری کہتے ہیں[1]۔

صاحب مجمع البحرین نے لکھا ہے :-

وفی الحدیث دجاج سندی[2] حدیث میں سندھی مرغی کا ذکر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں سندھی مرغی عام طور سے متعارف و مستعمل تھی۔

سندھی کپڑے عرب میں سندھ کے بنے ہوئے خاص قسم کے کپڑوں کو مسندہ اور مسندیہ کہتے تھے، اور ان کا استعمال بھی عام تھا، عام طور سے ان کی چادریں بنتی تھیں، اور چونکہ یہ کپڑا ہندوستان سے پہلے یمن جاتا تھا اس لیے ان کو بُرد یمانی بھی کہتے تھے۔

لسان العرب میں ہے :-

---

[1] کتاب الحیوان ص ۱۱۵، [2] مجمع البحرین مادہ سند

والمسندة والمسندية ضرب	مسندہ اور مسندیہ کپڑے ایک قسم کا نام
من الثیاب وفی حدیث عائشة	ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث
رضی اللہ عنہا انہ رائ علیہا	میں ہے کہ انھوں نے آپ کے جسم پر سندھ
اربعة اثواب سند قیل هو	کے چار کپڑے دیکھے، بعضوں نے کہا ہے کہ
نوع البرود الیمانیة [1]	یہ یمنی چادروں کی ایک قسم ہے،

لنگی اور چادر نیز لسان العرب میں ہے کہ تہبند اور لنگی کے کپڑے بھی سندھ ہی سے عرب میں جاتے تھے :

الفوطة ثوب قصیر غلیظ یکون	فوطہ گف چھوٹا سا کپڑا ہے جو چادر اور تہبند
مئزراً یجلب من السند،	ہوتا ہے، سندھ سے لایا جاتا ہے۔

اور بعد میں اس کا رواج بار بر داروں، محنت مزدوری کرنے والوں اور نوکروں میں عام ہو گیا تھا۔ مشہور امام لغت ابو منصور کا بیان ہے :

ورأیت بالکوفة ازراً مخططة	میں نے کوفہ میں دیکھا ہے کہ اونٹ والے
یشتریها الجمالون والخدم	اور نوکر چاکر دھاری دار چادریں خریدتے
فیتزرون بها [2]	ہیں اور ان کو تہبند اور لنگی کے طور پر استعمال
	کرتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں عام طور سے اسی قسم کا دھاری دار اور رنگین تہبند استعمال ہوتا ہے۔ یہی عربی لفظ فوطہ اور فوط ہے جو ہندوستان میں پوت کہا جاتا ہے، جس سے مراد آج کل عام طور سے چار گز کا ریشمی تھان ہوتا ہے،

کُرتہ کرتہ خالص ہندوستانی لباس ہے جو قدیم زمانہ سے ایران اور عرب میں رائج تھا، عرب اسے معرب کر کے قرطق کہتے تھے، لسان العرب میں ہے،

---

[1] لسان العرب ج ۳ ص ۲۲۳ ، [2] ایضاً ج ۷ ص ۳۷۴

(قرطق) ای قباء، وهو تعریب کرته، وقد تضم طاءه، وابدال القاف من الهاء فی الاسماء المعربة کثیر کالبرق، والباسق والمستق [1]

قرطق قبا ہے، اور یہ کرتہ کا معرب ہے، اور قرطق کی طاء کو ضمہ بھی دیتے ہیں اور اسماء معربہ میں ہ کو قاف سے بدلنا بہت زیادہ ہے، جیسے بُرہ سے برق، اور باسہ سے باسق اور مستہ سے مستق؛

شاہان ایران کے دربار میں جب ملوکِ عرب جاتے تو شاہی دربار کی سجاوٹ میں کرتے کا استعمال خاص طور سے ہوتا تھا، اور اس کا شمار شاہی لباس میں ہوتا تھا۔ قاضی رشید بن زبیر نے الذخائر والتحف میں اس موقع پر لکھا ہے:

والبسهم الدیباج الملون من الثیاب والقراطق، وفی اوساطهم مناطق الذهب الاحمر مرصعة بانواع الجوهر، وعن شماله اولاد المرازبة علیهم القراطق [2]

بادشاہ شاہزادوں کو کپڑوں اور کرتوں میں سے رنگین دیبا پہناتا تھا اور ان کی کمر میں سونے کے پٹکے ہوتے تھے، جو قسم قسم کے جواہر سے مرصع ہوتے تھے، اور بادشاہ کے بائیں جانب مرزبانوں (صوبوں کے حاکموں) کے لڑکے کرتے پہن کر کھڑے رہتے تھے۔

سلیمان تاجر بحر ہرکند (بحر ہند) کے جزائر کے باشندوں کی صنعت وحرفت میں مہارت بیان کرتا ہوا کہتا ہے:

حتی انهم یعملون القمیص مفروغا منه منسوجا بالکمین والدخریصین والجیب

ان کی صنعت گری کا یہ حال ہے کہ وہ ایسا کرتہ بناتے ہیں جس میں دونوں آستین کلیاں اور جیب بنی ہوتی ہیں اور ان کو سلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

---

[1] لسان العرب ج ۱۰ ص ۲۲۳، [2] کتاب الذخائر والتحف ص ۱۲۸ طبع کویت،

عہد رسالت میں کرتے کا استعمال تھا اور بعض روایات میں اس کا ذکر ہے، بلکہ بعد تک یہ کپڑا بادشاہوں اور حاکموں کا لباس تھا، اصطخری نے منصورہ کے مسلمان حکمرانوں کا لباس کرتہ ہی بتایا ہے:

وزیهم زی اهل العراق	اہل منصورہ کا لباس اہل عراق کی طرح ہے
الا ان زی ملوکهم یقارب	البتہ یہاں مسلمان حاکموں کا لباس ہندوستان
زی ملوک الهند من الشعور	کے راجوں مہاراجوں کی طرح ہے اور وہ بھی
والقراطق ۱؎	بال رکھتے ہیں اور کُرتے پہنتے ہیں،

اسی طرح یہی جغرافیہ نویس دوسری جگہ ملتان اور منصورہ کے عام باشندوں کا لباس کُرتہ ہی بتاتا ہے۔

ولباس القراطق فیهم ظاهر	کرتے کا ان میں عام چلن ہے، البتہ تاجروں
الا التجار فان لباسهم	کا لباس قمیص اور چادر ہے، اور فارس
القمیص والاردیة وسائر	و عراق والوں کا لباس بھی قمیص اور
اهل فارس والعراق ۲؎	چادر ہے،

یہ چند ہندوستانی اشیاء کی فہرست ہے جن کا استعمال عرب میں عام تھا، ان کے علاوہ بھی بہت سی ہندوستانی چیزیں عرب میں مستعمل تھیں، اشعار عرب اور کتب لغت کی مراجعت کے بعد ان کا نشان مل سکتا ہے۔

۱؎ مسالک الممالک ص ۱۷۳، ۲؎ ایضاً ص ۱۷۷

عرب میں آباد ہندوستانی قومیں

سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک قدیم زمانہ سے دو الگ الگ ملک مانے جاتے ہیں، اور وہ تغلیب کے طور پر دونوں ملکوں کے باشندوں کو ہندی بھی کہہ دیا کرتے ہیں، ورنہ عام طور سے سندھ کے باشندوں کو سندی اور ہندستان کے لوگوں کو ہندی کہتے ہیں۔

سندھ اور سندھی جس طرح سندھ ایک ملک کا نام ہے، اسی طرح وہاں کی قوم کو بھی سند کہتے ہیں لسان العرب میں ہے :-

والسند جیل معروف والجمع أسناد وسنود، والسند بلاد، تقول سندی للواحد، وسند للجماعة مثل زنجی وزنج۔	سند ایک مشہور گروہ ہے، اس کی جمع اسناد اور سنود آتی ہے، اور سندھ چند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے، تم یہاں کے ایک آدمی کو سندی کہوگے اور جمع کے لیے سند استعمال کروگے، جیسے زنجی اور زنج ہے۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۲۳ طبع جدید بیروت)

مسندہ، مسندیہ، سند اور سند کے نام سے سندھ میں ایک قسم کے کپڑے بنتے تھے، جو عرب میں استعمال کیے جاتے تھے، رجل سندی کی طرح ثوب سندی اور دجاج سندی (سندھی مرغی) بھی اس ملک کی نسبت سے مشہور تھی، یہاں کے باشندے قدیم عرب میں بہت زیادہ آباد تھے، خاص طور سے یمن کے علاقہ میں ان کی کثرت و شوکت مسلم تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ایام طفولیت میں جب شاہ حبشہ ابرہہ کے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر حملہ کرکے سیف بن ذی یزن کو بے دخل کر دیا اور اس نے کسریٰ انوشیرواں کے یہاں جاکر اس کا تذکرہ کیا تو اس نے دریافت کیا :۔

ای الاغربۃ الحبشۃ أم	کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے ؟
السند[1]	حبشیوں نے یا سندھیوں نے ۔

کسریٰ کے اس سوال سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت یمن میں سندھیوں کی آبادی کس قدر زیادہ تھی ، اور ان کو کیسی شان و شوکت حاصل تھی ۔

ہند اور ہندی ہند جس طرح سندھ کے مقابلہ میں ایک ملک کا نام ہے ، اسی طرح اس ملک کے باشندوں کو عرب ہند کے نام سے یاد کرتے ہیں ، اور جمع کے لیے ہنود اور واحد کے لیے یائے نسبتی لگاکر ہندی بولتے ہیں ، کبھی کبھی یائے نسبت سے پہلے کاف کا اضافہ کرکے ہندکی بھی بولتے ہیں ، جس کی جمع ہنادک آتی ہے ، کبھی ہندی سے عود ہندی بھی مراد لیتے ہیں ، سیف مہند ، سیف ہندی ، سیف مُہندوانی ، سیفِ مہندوانی ، اور ہندی ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کو کہتے ہیں ، لسان العرب میں ہے :۔

قال الازہری والاصل فی	ازہری کا قول ہے کہ دراصل تہنید
التہنید عمل الہند ، یقال	کے معنی ہندوستان میں یا ہندوستانیوں
سیف مہند ، وہندی ، وہندوانی	کا تلوار بنانا ہیں ، سیف مہند ، ہندی ، ہندوانی
اذا عمل ببلاد الہند واحکم	اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں بنائی
عملہ والمہند السیف المطبوع	گئی ہو ، اور اس کی بناوٹ نہایت
من حدید الہند ، وہذا اسم	عمدہ ہو ، اور مہند وہ تلوار جو ہندوستان
بلاد ، والنسبۃ ہندی ، والجمع	کے لوہے سے بنائی گئی ہو ، اور ہند

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳ و طبری ج ۲ ص ۱۸۷ اور کتاب التیجان ص ۳۰۴

هنود، كقولك زنجي وزنوج	شہروں کے مجموعہ کا نام ہے، اس کی
وسيف هندواني بكسر الهاء	طرف نسبت ہندی ہے اور اس کی جمع
وان شئت ضممتها اتباعاً	ہنود آتی ہے، اور سیف ہندوانی اور
للدال، ابن سيدة والهند	ہُندوانی بھی کہتے ہیں، اور ہَند ایک
جيل معروف ...... ويقال رجل	مشہور گروہ کا نام بھی ہے، یہاں کے
هندي وهندكي، قال ولوقيل	باشندے کو ہندی اور ہندکی کہتے ہیں، اگر
ان الكاف اصل، وان هندي	ہندکی کے کاف کو اصل مان کر سبط اور
وهندكي اصلان بمنزلة	سبطر کی طرح اسے بھی مان لیا جائے تو یہ قول
سبط وسبطر لكان قولا	قوی ہے اور سیف ہندوانی اور مہند اس
قويا والسيف الهندواني،	تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستانیوں کی
والمهنّد منسوب اليهم[1]	طرف منسوب ہے۔

ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک قصیدہ کہا ہے جس میں ایک شعر یہ بھی ہے:۔

بني امة محبوبة هندكية ❊ بني جمع عبيد قيس بن عاقل[2]

کثیر شاعر نے کہا ہے:۔

ومقربة دهم وكمت كانها ❊ طماطم يوفون الوفور هنادكا[3]

محمد بن حبیب نے کہا ہے کہ کثیر نے ہنادک سے رجال ہند مراد لیا ہے، ابن ہرمہ نے کہا ہے:

كأعناق نساء الهند ❊ وقد شيبت باوضاح

---

[1] لسان العرب ج ۳ ص ۳۴۸، [2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۹ طبع جدید مصر۔
[3] لسان العرب ج ۳ ص ۳۴۸،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند ماہ پیشتر ہندوستان کے آدمیوں کا تذکرہ ایک موقع پر فرمایا تھا، جبکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت نجران سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا، آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا :۔

من ھٰؤلاء القوم؟ کانھم رجال الھند [1]

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح ہیں؟

ہند اور سندھ کی سات قومیں

الغرض عرب میں ہندیوں اور سندھیوں کی مختلف جماعتیں عہد رسالت میں موجود تھیں، چنانچہ زُطّ (جاٹ) میّد سیابجہ، اساورہ، احامرہ، بیاسرہ، اور تکاکرہ یہیں کے رہنے والے تھے، جو ملک عرب میں مختلف کاموں اور پیشوں کی وجہ سے مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے تھے، ان کا مختصر تعارف یہ ہے :۔

(۱) زُطّ (جاٹ) ہندوستان کی مشہور سیاہ رنگ کی جنگ جو قوم ہے، جو سندھ کے علاوہ منصورہ کے اطراف سے لے کر مکران تک پھیلی ہوئی تھی، بلوچستان میں اور ہندوستان کے علاقہ پنجاب میں اس کی آبادی تھی، یہ لوگ ان ہی مقامات سے عرب جاتے تھے،

(۲) میّد ہندوستان کی ساحلی قوم ہے جو جہازوں اور کشتیوں کو سمندر میں لوٹ لیا کرتی تھی، اس قوم کی بستیاں دریائے سندھ سے لے کر ہندوستان کے سرحدی علاقہ اور تکین تک پھیلی ہوئی تھیں، اور دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں، بلکہ گجرات اور کوکن کے سواحل میں بھی یہ سمندری لٹیرے بکثرت آباد تھے، جن سے یہاں کے راجے مہاراجے تنگ عاجز تھے، بعد میں مسلمانوں نے ان کو زیر کیا، یہ لوگ شاہانِ ایران کی فوج میں بھرتی ہو کر عرب جاتے تھے اور ساحلی مقامات میں رہا کرتے تھے۔

(۳) سیابجہ۔ ہندوستان کی مشہور قوم سیابجہ کا وطنی تعلق بھی سندھ اور ہندوستان

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۲ و طبری ج ۳ ص ۱۵۷

کے سواحل ہی سے تھا، خصوصاً سندھ کا علاقہ ان کا مرکز تھا،

(۴) احامرہ بھی یہاں کے ساحلی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، خصوصاً سندھ سے، یہ لوگ یہاں سے عرب جاکر اجرت پر تجارتی جہازوں کی حفاظت و نگرانی کیا کرتے تھے، اور بحری ڈاکوؤں سے جنگ کرتے تھے،

(۵) اساورہ شاہان ایران کی فوج میں "سواروں" کے ممتاز عہدے دار تھے، جو عرب میں رہتے تھے، ان میں ہندوستانی بھی ہوا کرتے تھے، ان کا وطن سندھ کے سواحل سے لے کر سرندیپ تک پھیلا ہوا تھا۔

(۶) بیاسرہ بھی ہندوستانی تھے، اور عرب جاکر جہازوں کی نگرانی کی ملازمت کرتے تھے، یہ لوگ بھی سندھ سے لے کر بمبئی کے حدود صیمور (چیمور) تک کے رہنے والے تھے،

(۷) تکاکرہ (ٹھاکر) سندھ اور پنجاب کے جنگ جو بہادر تھے، جنھوں نے ہندوستان پر محمد بن قاسمؒ کے حملہ کے وقت راجہ داہر وغیرہ کی مدد میں بڑی بہادری دکھائی تھی۔

یہ چند مشہور قومیں ہیں جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے عرب میں جاتی تھیں، ان میں سے بعض وہاں آباد ہو گئی تھیں، ان کے علاوہ بھی ہندوستان کے دوسرے مقامات کے لوگ عرب میں پائے جاتے تھے،

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان ہندوستانی قوموں اور جماعتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عہد رسالت میں عرب میں پائی جاتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت انھوں نے دعوت اسلام قبول کی یا انکار کرکے جزیہ دینا قبول کیا، اور یا عربوں اور ایرانیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی،

زُط یعنی جاٹ

جاٹ جن کو عربی زبان میں زُط کہتے ہیں، یہ سیاہ رنگ کے خالص ہندوستانی قوم سے تھے، جو قدیم زمانہ سے عرب میں بڑی تعداد میں آباد تھے، یہ قوم سندھ اور پنجاب میں پائی جاتی ہے، بلکہ بعض مورخوں نے بلوچستان

کے باشندوں کو بھی جاٹ بتایا ہے، لسان العرب میں ہے :-

الزط جیل اسود من السند	زط سندھ کے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں، ایک قول ہے
وقیل الزط اعراب جت بالھندیۃ	زط ہندی لفظ جٹ کا معرب ہے، اور وہ
وھو جیل من اھل الھند	ہندوستانیوں میں ہیں، بہر حال جاٹ سیاہ رنگ کے
وھم جنس من السودان والھنود	اور ہندوستانیوں کی جنس سے ہیں، اس لفظ کا
والواحد زطی، مثل الزنج	واحد زطی ہے جیسے زنج اور زنجی اور روم
والزنجی والروم والرومی [1]	اور رومی۔

علامہ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں:

وھم جنس من السودان	یہ لوگ کالے رنگ کے سندھیوں اور
والسنود، والھنود [2]	ہندیوں کی جنس سے ہیں۔

طریح نجفی نے مجمع البحرین میں تقریباً یہی عبارت لکھی ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے:

الزط بالضم من الھند معرب	زط ہندوستانی ہیں، یہ لفظ جہت کا
جھت بالفتح، الواحد زطی [3]	معرب ہے اور واحد زطی ہوتا ہے۔

ان تصریحات میں جاٹوں کو سندھی اور ہندوستانی سے بتایا گیا ہے، مگر ابوالفداء نے تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بلوچیوں کو بھی جاٹ کہتے ہیں، جن کی زبان ہندوستان کی زبان سے ملتی جلتی ہے،

واما البلوص المذکورون	ان بلوچیوں کو ہمارے زمانہ میں جت
فیقال لھم فی زماننا الجت	کہا جاتا ہے، یہ ایک گروہ ہے جس کی
وھم طائفۃ تقرب لغتھم	زبان ہندی زبان سے قریب
من الھندیۃ [4]	ہے۔

---

[1] لسان العرب ج ۷، ص ۳۰۸، ۱ و زط، [2] مجمع البحار ج ۲ ص ۶۲ طبع نولکشور، [3] مجمع البحرین مادہ زط طبع ایران، [4] تقویم البلدان ص ۳۳۵ طبع پیرس۔

قدیم ترین ماہر انساب اور یمن کی تاریخ کے عالم ابو محمد عبد الملک ابن ہشام نے کتاب التیجان میں جاٹوں کو وسطی ایشیا کی قوموں میں بتایا ہے اور یمن کی قوم تبع اور تبابعہ کے حالات میں جاٹوں کو بنو یافث میں شمار کیا ہے۔ مثلاً تبع شمر یرعش بن ناشر النعم کے ذکر میں ہے :-

وان الصغد والکرد والخزر	صغد، کرد، خزر زط، قوط، یہ سب
والزط والقوط کلھم بنو یافث	یافث بن حضرت نوح علیہ السلام کی
ابن نوح النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]	اولاد ہیں۔

دوسری جگہ اسی تذکرہ میں ہے کہ :

واقبل بنو یافث باجمعھم یناصرون	اور تمام بنو یافث قباد کی مدد کے
قباد، وھم الترک، والدیلم و	لیے تیار ہو گئے، یہ ترک، دیلم، خزر،
الخزر، والغور، والتبت، و	غور، تبت، صغد، زط اور خزر
الصغد، والزط، والخزر[2]	ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ تبع شمر یرعش کے مقابلہ میں شاہ ایران قباد کے مددگاروں کی فہرست ہے جس میں صغد، کرد، خزر، ترک، دیلم، غور اور تبت وغیرہ کی طرح جاٹ بھی شامل تھے، جو قدیم زمانے میں ہندوستان سے جاکر ایران کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے، اور ان کا شمار ایران کی فوج میں ایرانیوں کی طرح رہتے تھے، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ وسط ایشیا جاٹوں کا آبائی وطن نہیں ہے، بلکہ وہ ہندوستانی نسل سے تھے اور وہاں جاکر آباد ہو گئے تھے، یا پھر جاٹ کے لقب سے ان اطراف کی کوئی قوم رہی ہوگی۔

ہندوستان میں جاٹوں کا علاقہ مورخوں نے جن جاٹوں کا عرب میں قدیم زمانہ سے پایا جانا بیان کیا ہے، وہ مکران، بلوچستان، ملتان، دیبل وغیرہ سندھ اور اس کے اطراف کے رہنے والے تھے، قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ

---

[1] کتاب التیجان ص ۲۲۲ طبع حیدر آباد۔ [2] ایضاً ص ۲۲۳

نے مکران اور منصورہ (سندھ) کے درمیان کئی سو میل تک جاٹوں کا علاقہ بتایا ہے، چنانچہ فہرج سے (ایران) سندھ کی طرف آنے والی شاہراہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

من اول مکران الی المنصورۃ	مکران کے ابتدائی سرے سے لیکر منصورہ
ثلث مائۃ وثمانیۃ وخمسون	تک تین سو اٹھاون فرسخ کا فاصلہ ہے اور
فرسخاً والطریق فی بلاد	پورا راستہ زط کی آبادیوں سے ہوکر گزرتا ہے
الزط وھم حفاظ الطریق[1]	یہ لوگ اس راستہ کے محافظ ہیں۔

اصطخری نے سندھ (منصورہ) سے ملتان تک کے پورے درمیانی علاقہ کو جاٹوں کا علاقہ لکھا ہے، اور اس میں ان کی آبادیاں بتائی ہیں:

وبلد السند ھو المنصورۃ	سندھ کا ملک منصورہ اور زط کی بستیوں
واراضی الزط، دما والاھا	اور اطراف وجوانب سمیت ملتان تک
الی الملتان[2]	پھیلا ہوا ہے،

ابوالفداء کی تصریح اوپر گذر چکی ہے کہ بلوچستان کے باشندے جاٹ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور انکی زبان ہندوستان کی زبان سے قریب ہے، ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں عرب میں جو جاٹ آباد ہو گئے تھے وہ حدود دسندھ کے رہنے والے تھے اور مکران سے پنجاب تک انکی آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

ایران میں جاٹوں کا علاقہ

ہندوستان کے جاٹ عرب میں مختلف طریقوں سے پہنچے تھے، ان میں کچھ تو ابلہ (بصرہ) سے عمان اور بحرین تک کے ساحلی علاقے میں آباد ہو کر مویشی، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ پالتے تھے، اور کچھ مستقل طور سے ساحلی شہروں اور دیہاتوں میں آباد ہو گئے تھے، اوران کی اکثریت شاہان ایران کی فوج اور سپاہ بن کر ایران اور عرب میں رہتی تھی، اس کا مرکز عراق میں ابلہ اور جنوب میں یمن تھا چنانچہ ایران میں قدیم زمانہ سے جاٹوں کے بڑے بڑے شہر اور بارونق بستیاں تھیں، جو فارس سے

---

[1] المسالک والممالک ص ۵۶ طبع یورپ [2] مسالک الممالک ص ۲۵

عراق تک پھیلی ہوئی تھیں، سوق اہواز سے فارس کی طرف جانے والی شاہراہ پر تقریباً ساٹھ میل کے بعد جاٹوں کا بہت بڑا شہر تھا، جسے ان کے نام ہی پر زط کہا جاتا تھا، ابن خردا ذبہ کا بیان ہے

من الاھواز الی ازم ستۃ	اہواز سے ازم تک چھ فرسخ کی مسافت
فراسخ ومنھا عبدین خمسۃ	ہے اور ازم سے عبدین پانچ فرسخ
فراسخ، ثم الی رام ھرمز	پر ہے، پھر رام ہرمز تک چھ فرسخ ہے پھر
ستۃ فراسخ ثم الی الزط ستۃ	وہاں سے زط چھ فرسخ پر
فراسخ [1]	ہے۔

خوزستان کے علاقہ میں جاٹوں کا عظیم الشان اور بارونق شہر تھا، جو دو علاقوں میں تقسیم تھا، اور دو ناموں سے یاد کیا جاتا تھا، ایک کو حومۃ الزط یعنی جاٹوں کا علاقہ و خطہ اور دوسرے کو خابران کہتے تھے، دونوں علاقے نہایت وسیع و عریض تھے، اور دو ندیوں کے کناروں پر آباد تھے، اصطخری نے اقلیم خوزستان کے بڑے بڑے شہروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

وحومۃ الزط والخابران	حومۃ الزط اور خابران دونوں ایک
وھما واحد، والزط والخابران	ہی علاقہ کے نام ہیں، زط اور خابران
ھما کورتان عامرتان علی	دونوں دو بہتے ہوئے دریا کے کنارے
نھرین جاریین [2]	پر آباد ہیں۔

کابل میں بھی جاٹوں کی آبادی تھی، ان ہی میں بعد میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت زوطی (زطی) بن ماہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، غالباً زوطی کا اسلامی نام نعمان تھا، اور ماہ شاہ ایران کے مرزبان یعنی نائب حاکم تھے، اسی لیے بعض روایات میں زوطی بن ماہ کے بجائے نعمان بن مرزبان آیا ہے، [3]

---

[1] المسالک والممالک ص ۴۴، [2] مسالک الممالک ص ۹۴، [3] تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۲۹۴ طبع ایران قدیم

عرب میں جاٹوں کا علاقہ ہندوستان کے جاٹوں کے ایرانیوں کے توسط سے عرب میں جانے اور وہاں آباد ہونے کی تاریخ بلاذری نے فتوح البلدان میں "امر الاساورۃ والزط" کے ماتحت یوں لکھی ہے:

واما السیابجۃ والزط	سیابجہ، زط اور اندغار ایرانیوں کی فوج
والاندغار فانھم کانوا فی	میں ان کے قیدیوں میں سے تھے، اس فوج
جند الفرس ممن سبوہ	کو ایرانیوں نے سندھیوں میں شمار کرکے
وفرضوا لہ من اھل السند	ان ہی کے درجہ میں رکھا تھا، تیرا سے بھی
ومن کان سبیا من اولی	لڑنے والے قیدیوں کی حیثیت دی تھی،
الغزاۃ فلما سمعوا بما کان	جب ان فوجیوں نے اساورہ کے مسلمان
من امر الاساورۃ اسلموا	ہونے کا واقعہ سنا تو یہ بھی مسلمان ہوکر
واتوا ابا موسیٰ فانزلھم البصرۃ	حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس آگئے اور آپؓ نے
کما انزل الاساورۃ [1]	انکو بھی اساورہ کی طرح بصرہ میں آباد کیا۔

اس سے پہلے ایران کے فوجی "اساورہ" کے اسلام لانے کے سلسلے میں شیرویہ اسواری کے مسلمان ہوکر بصرہ میں آباد ہونے کے بیان میں لکھا ہے:

فانضم الی الاساورۃ	شیرویہ اسواری اپنی جمعیت سمیت اساورہ
السیابجۃ وکانوا قبل الاسلام	سیابجہ میں آکر مل گیا، یہ سیابجہ اساورہ اسلام
بالسواحل وکذلک	سے پہلے خلیج عربی کے سواحل میں رہا کرتے
الزط وکانوا یتطرفون	تھے یہی حال جاٹوں کا بھی تھا، یہ لوگ سواحل
یتتبعون الکلاء [2]	میں چارے کی تلاش میں گھومتے رہتے تھے۔

اسی باب میں علامہ بلاذری ایک جگہ لکھتے ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۸ [2] ایضاً ص ۳۶۷

وقد كان معاوية نقل من	حضرت معاویہؓ نے قدیم زمانہ سے
الزط والسيابجة القدماء	آباد جاٹوں اور سیابجہ کی ایک جماعت کو
الى سواحل الشام وانطاكية	شام اور انطاکیہ کے سواحل پر منتقل کر کے
لبشرا ہٗ	آباد کیا۔

ان تمام تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ جاٹ قدیم زمانہ سے ایرانیوں کی فوج میں رہتے تھے، ان سندھی سپاہیوں کو عام ایرانی سپاہیوں سے الگ قرار دیکر ان کی تنخواہوں کا معیار ایرانیوں سے جداگانہ تھا اور ان کی حیثیت بیگار کی سی تھی، اسلام سے قبل یہ ہندوستانی جاٹ خلیج عرب (خلیج فارس) کے سرسبز و شاداب سواحل ابلہ سے لے کر بحرین اور عمان تک پھیلے ہوئے تھے، اور ابلہ جس کے قریب بصرہ آباد ہوا، ان کا بہت بڑا مرکز تھا، بعد میں جب یہ لوگ مسلمان ہوگئے تو سواحل شام و انطاکیہ میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد آباد کی گئی۔

ابلہ کے بعد جاٹوں کا دوسرا مرکزی مقام بحرین تھا، جہاں وہ عہد رسالت سے پہلے بڑی تعداد میں آباد تھے، چنانچہ سلاھ میں جب بحرین اور اس کے اطراف میں ارتداد کا فتنہ برپا ہوا تو جاٹ بھی اس کی لپیٹ میں آگئے، اور حطم بن ضبیعہ نے قطیف، ہجر اور خط میں آباد جاٹوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اپنے ساتھ ملایا،

حتى نزل القطيف وهجر	حطم بن ضبیعہ قطیف اور ہجر پہنچا، اور خط کی پوری
واستغوى الخط ومن فيها	آبادی کو اور وہاں جس قدر جاٹ اور سیابجہ تھے سب
من الزط والسيابجة [۱]	کو گمراہ کر کے اپنی فوج میں شامل کر لیا۔

پھر جب اسلامی فوجوں کے مقابلہ میں ان کو ہزیمت ہوئی تو ایک بہت بڑی جماعت دارین کی طرف بھاگی اور باقی شکست خوردہ کفار اپنے ملکوں اور قبیلوں میں چلے گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے جاٹ بھی شکست کھانے کے بعد ہندوستان کی طرف بھاگے ہوں گے۔

---

[۱] فتوح البلدان ص ۹۶ [۲] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۶

مکہ مکرمہ میں بھی جاٹ موجود تھے اور وہاں کے لوگ ان سے اچھی طرح واقف تھے، جامع ترمذی کے ابواب الامثال کی ایک طویل حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لیلۃ الجن میں مکہ میں جنوں کو دیکھا جن کی شکل و شباہت ان کے بیان کے مطابق جاٹوں کی تھی۔

فبینا انا جالس فی خطی اذا	میں اپنے اردگرد کھینچے ہوئے دائرہ میں بیٹھا
اتانی رجال کانھم الزط	تھا کہ کچھ لوگ میرے قریب آئے، وہ لوگ
اشعارھم واجسامھم لا اریٰ	اپنے بال اور جسم میں جاٹوں کے مشابہ تھے،
عورۃ ولا اریٰ قشرا لہ	میں نہ ان کا ستر دیکھ سکا اور نہ ان کا چمڑا مجھے نظر آیا۔

مدینہ منورہ میں قدیم زمانہ سے کچھ جاٹ موجود تھے جن میں سے ایک مسلمان جاٹ طبیب اور معالج تھا، جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بتایا تھا کہ ان پر ان کی باندی نے سحر کر دیا ہے، [۲]

جاٹوں کے اثرات عربی زندگی میں

غرض مشرقی سواحل میں پھیل جانے کے ساتھ ساتھ عرب کے بڑے بڑے مقامات میں بھی وہ آباد تھے، اور ان کی خاص خاص چیزیں عربوں میں رائج اور مشہور ہو گئی تھیں، اور اپنی زندگی میں وہ ان کو برتتے تھے، چنانچہ جاٹوں کے بال ترشوانے کی ایک قسم قلی ہے، جو عربوں میں رائج ہو گئی تھی، لسان العرب اور مجمع البحار میں ہے:-

وفی بعض الاخبار فحلق راسہ	بعض اخبار میں ہے کہ آپ نے جاٹوں کے
زطیۃ، قیل ھو مثل الصلیب	طریقہ سے سر منڈایا تھا جس کی شکل صلیب کے
کانہ فعل الزط [۳]	مانند ہوتی ہے جیسا کہ جاٹوں کا طریقہ ہے۔

---

[۱] ترمذی شریف ابواب الامثال [۲] الادب المفرد امام بخاری ص ۷۲ مطبع تازیہ مصر،
[۳] لسان العرب ج ۷، ص ۳۰۸ و مجمع البحار ج ۲ ص ۶۲

اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سر منڈایا تھا یا کسی صحابی وغیرہ کا واقعہ ہے، مگر ظاہری الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے،

جاٹوں کی نسبت سے کپڑے عرب میں مشہور تھے، لسان العرب میں ہے :-

الزط جیل اسود من السند[1] — جاٹ سندھ کے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں

الیھم تنسب الثیاب الزطیۃ — انکی طرف ثیاب زطیہ منسوب ہیں۔

اس عبارت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ ثیاب زطیہ خاص قسم کے کپڑے تھے جن کو جاٹ تیار کرتے تھے اور عرب کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے، یا پھر یہ ان کی ذاتی پوشاک کے کپڑے تھے، جیسے دھوتی وغیرہ۔

جاٹوں کے ذریعہ گانے کے بعض ہندی راگ بھی غالباً قدیم زمانہ سے عربوں میں مشہور تھے اور وہ ان کے ذریعہ ہندی موسیقی سے محظوظ ہوتے تھے، اس کی تصریح اگرچہ اس دور میں نہیں ملتی مگر جاحظ نے کتاب الحیوان میں ایک شاعر کا رجز نقل کیا ہے جس میں اس نے مچھر کی آواز کو جاٹوں کے نغمہ سے تشبیہ دی ہے، اس رجز کا ایک مصرعہ یہ ہے :-

اذ تغنین غناء الزط — مچھر جاٹوں کے گانے کی طرح گا رہے تھے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں جاٹوں کا نغمہ بہت مشہور تھا۔

مذکورۂ بالا تصریحات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں جاٹوں کے اطوار و عادات مشہور تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جاٹ عرب میں اپنی ملکی اور قومی خصوصیات قائم رکھنے میں آزاد تھے، اور ان پر عربی زندگی اس طرح مسلط نہیں ہوئی کہ وہ اپنی ہندی زندگی کو بالکل ہی بھول گئے ہوں، یا چھوڑ بیٹھے ہوں، بلکہ انھوں نے عربی زندگی کو اپنے اطوار و عادات سے متاثر کیا،

---

[1] لسان العرب ج ۷، ص ۳۰۸

جاٹوں کی زبان اور اس کا اثر عربی زبان پر

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جاٹوں نے اپنی ہندوستانی زبان خلافتِ راشدہ کے زمانہ تک محفوظ رکھی، اور وہ اسی میں گفتگو کرتے تھے، مجمع البحرین میں ہے:

وفی حدیث علی انہ لما فرغ	حضرت علیؓ کے واقعہ میں ہے کہ جب وہ
من قتال اھل البصرۃ	اہل بصرہ سے جنگ کرکے فارغ ہوئے تو انکی
اتاہ سبعون رجلاً من	خدمت میں ستر جاٹ حاضر ہوئے اور انھوں
الزط فکلموہ بلسانھم	نے اپنی زبان میں آپ سے بات کی اور کہا کہ
فقالوا لعنھم اللہ بل	اللہ ان (اہل بصرہ) پر لعنت کرے، کوئی
انت، انت له	اور نہیں بلکہ آپ اور صرف آپ میر و حاکم ہیں۔

اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ بصرہ کے جاٹوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک اپنی ملکی اور قومی زبان ہندی کو محفوظ رکھا تھا، اور وہ اسی میں گفتگو کرتے تھے اور انھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کا اقرار کیا، یہی وجہ ہے کہ عرب کے جن علاقوں میں یہ ہندوستانی آباد تھے، خصوصیت سے بحرین وغیرہ کے ساحلی اطراف میں، وہاں کے عربوں کی زبان ان کی زبان کے اختلاط کی وجہ سے غیر فصیح اور غیر معتبر ہوگئی تھی، چنانچہ قبیلہ بنو عبدالقیس اور ازد عمان کی زبان اس لیے غیر مستند قرار پائی کہ وہ لوگ بحرین میں ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے اختلاط کی وجہ سے عربیت کا جوہر کھو چکے تھے، یہی حال یمن والوں کا تھا۔

عہد رسالت میں جاٹوں سے مسلمان اچھی طرح واقف تھے، اور ان میں ان کی رنگت، شکل و شباہت اور لباس و ہیئت وغیرہ مشہور تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت گذر چکی ہے، جس میں انھوں نے ایک مخلوق کو جاٹوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کے لمبے لمبے بالوں اور موٹے تازے جسموں کو خاص طور سے بیان فرمایا ہے۔

---

[1] مجمع البحرین مادہ زط، طبع ایران،

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جسمانیت میں جاٹوں سے تشبیہہ دی ہے، بخاری کی روایت میں ہے:

وأما موسیٰ فآدم سبط کأنه	موسیٰ گندمی رنگ کے خوش قامت تھے،
من رجال الزط۔ [1]	گویا وہ جاٹوں میں سے تھے۔

اسی طرح جب سنہ ۱۰ ہجری میں نجران سے بنی حارث بن کعب کے مسلمانوں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:۔

من هؤلاء القوم الذی کأنهم	یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے
رجال الهند [2]	آدمی معلوم ہوتے ہیں

جاٹوں اور عربوں کی باہمی معاشرت

جاٹوں نے اپنی خصوصیت باقی رکھتے ہوئے اپنے کو عربی زندگی سے اس طرح ہم آہنگ کر لیا تھا کہ عربوں کے اجتماعی معاملات میں ان کا ساتھ دیتے تھے، اور مختلف قبائل کے موالی و حلفاء بنکر ان کے طرفداروں میں شمار ہوتے تھے، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قطیف، ہجر اور خط وغیرہ ساحلی علاقوں کے جاٹ ارتداد کے زمانہ میں حطم بن ضبیعہ کے ساتھ خلافت صدیقی کے خلاف کفار و مشرکین کے ساتھ نکلے تھے، اسیطرح یمامہ کی جنگ میں اسی زمانہ میں مسیلمۃ الکذاب کی فوج کے پاس جو ہندی تلواریں تھیں، وہ غالباً نجران و نجد کے جاٹوں ہی کی تھیں۔

بعد میں یہ لوگ بحرین کے مشہور قبیلہ بنو عبد القیس کے خاص حلیف اور طرفدار بن گئے تھے، عدیم بن عبد اللہ کا قول ہے:

وتکفینا الاساورۃ المزونا	ویغنی الزط عبد القیس عنا

ہمارے مقابلے میں عبد القیس کو جاٹ کافی ہیں اور ہمارے لیے اساورہ کافی ہیں۔

---

[1] بخاری کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ عز وجل واذکر فی الکتاب مریم، [2] سیرت ابن ہشام ۵۹ و تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۶

اسی طرح وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو تمیم کے بھی حلیف وہمنوا تھے، اور قبائلی لڑائیوں میں ان کی مدد کرتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:-

فجئنا بجی وائل و بلیقھا وجاءت تمیم زطھا والاساورا[1]

(ہم وائل کے دونوں قبیلوں، اور اس کے دوستوں کو لیکر آئے اور بنو تمیم اپنے جاٹوں اور اساورہ کو لیکر آئے)

جاٹوں کی یہ روش عہد اسلام میں بھی قائم رہی اور وہ اسلام لانے کے بعد بھی اپنی پسند سے کسی نہ کسی قبیلہ کے حلیف بن کر ان کے ساتھ رہتے تھے، اور اس کی معیت میں اسلامی غزوات میں شریک ہوتے تھے، چنانچہ ۱۷ھ کے بعد بصرہ کے جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ کے ساتھ رہتے تھے، اور مشرکین سے جہاد کرنے کے لیے ان کے ساتھ نکلتے تھے۔[2]

جاٹوں کی مسلمانوں کی باہمی آویزش سے کنارہ کشی

اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جاٹوں نے بعد میں حتی الامکان غیر جانب داری پر عمل کیا اور کھل کر مسلمانوں اور عربوں کے اندرونی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا، بحرین کے جاٹ حطم بن ضبیعہ کے دباؤ میں آکر عہد صدیقی میں اسلامی فوج کے مقابلے میں ضرور آئے مگر اسلام لانے کے بعد انھوں نے اپنی غیر جانبداری کی پالیسی کو برقرار رکھا اور مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں شریک نہیں ہوئے، بلاذری کی شہادت ہے:

ولم یشھدوا معھم الجمل	ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ نہ جنگ
وصفین ولا شیئاً من	جمل میں نہ جنگ صفین میں اور نہ ہی کسی
حروبھم[3]	اور جنگ میں شرکت کی۔

مسلمانوں کی خانہ جنگی میں جاٹوں کی طرفداری

بصرہ کے مسلمان جاٹوں سے یہ شرط کر لی گئی تھی کہ وہ داخلی معاملات میں نہ پڑیں گے اور کسی جماعت کے مقابلہ میں دوسری جماعت کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن بعد میں

[1] لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸ [2] فتوح البلدان ص ۳۶۷ [3] ایضاً ص ۳۶۷

حالات کے تقاضے سے ان کو مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں اور تحریکوں میں کسی نہ کسی فریق کا ساتھ دینا پڑا، چنانچہ جمل اور صفین کے بعد یوم مسعود اور یوم زہدہ میں انھوں نے حصہ لیا — اور عبدالرحمٰن بن اشعث نے جب بنو امیہ کے خلاف قرار کی جماعت کے ساتھ خروج کیا تو جاٹ اور سیابجہ بھی کھل کر اس میں شریک ہوئے، حجاج بن یوسف نے اس بدعہدی کے جرم میں ان کے مکانات مسمار کرا دیئے، وظیفے بند کر دیئے اور ان کو جلا وطن کر دیا[1] — اس کے بعد جاٹوں کی جمعیت منتشر ہو گئی، اور انھوں نے اس کے انتقام میں بصرہ اور بغداد کے اطراف میں بڑی شورش برپا کی اور ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

عہد رسالت میں جاٹوں کے اسلام کی تصریح اب تک ہم کو نہیں مل سکی اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ ان کی کوئی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائی تھی، مگر یہ قطعی ہے کہ عہد رسالت میں یمن اور بحرین کے حدود کے بعض جاٹ مسلمان ہوئے تھے، چنانچہ حضرت بیرزطن ہندی یمنی جو عہد رسالت میں اسلام لائے غالباً جاٹ نسل سے تھے، البتہ عہد فاروقی میں جب سنہ ۱۴ھ میں بصرہ آباد کیا گیا تو یہاں مسلمان جاٹوں کی بڑی تعداد موجود تھی، جو بنو حنظلہ کے ساتھ رہتی تھی، اور جب ایران کے اساورہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تو وہ بصرہ میں ان ہی مسلمان جاٹوں اور سیابجہ کے ساتھ رہنے لگے، مگر جب ان ایرانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد اکٹھا ہو گئی تو بنو تمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا اور اساورہ بنو سعد کے یہاں چلے گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ سے مل گئے۔

جاٹوں کی سرکشی اور غارت گری

بعد میں حجاج بن یوسف نے سندھ سے جاٹوں کو اور دوسری قوموں کو ان کے بال بچوں سمیت بلا کر مقام کسکر کے نشیبی سنگلاخ حصہ میں آباد کیا، جنھوں نے یہاں اچھی خاصی طاقت جمع کر لی

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۷۶

اتفاق سے اسی زمانہ میں بہت سے غلاموں اور بنو باہلہ کے موالی اور محمد بن سلیمان بن علی کے ننہال کے لوگوں نے بھاگ کر یہاں آکر پناہ لی اور ڈاکہ زنی اور حکومت کی خلاف ورزی شروع کردی، اس سے پہلے بھی یہ جاٹ کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے، پھر رفتہ رفتہ ان کی جمعیت کے ساتھ ان کی جرأت و طاقت بھی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ مامون کے زمانہ میں انھوں نے بصرہ کا تمام نشیبی علاقہ اپنے قبضہ میں کرلیا، اور بصرہ سے جو کشتی اور جہاز بغداد جاتا اس کو لوٹ لیتے، جس سے بغداد اور مصر کے درمیان بحری سفر اور حمل و نقل کا سلسلہ بند ہوگیا، اور اس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا، خلیفہ معتصم نے اپنے زمانہ میں ان جاٹوں کے خلاف فوجی کارروائی کی اور ان کی سرکوبی کے لیے خراسان کے ایک فوجی افسر عجیف (بن عنبسہ) کی سرکردگی میں فوج روانہ کی عجیف بن عنبسہ کو پورا اختیار رہا کہ اس مہم میں جتنا بھی صرف ہو بے تکلف خرچ کیا جائے عجیف نے بڑے اہتمام سے جاٹوں کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی اور گرفتار کرکے بغداد لایا ان میں کچھ لوگوں کو خانقین میں رکھا گیا اور زیادہ تعداد عین زربہ اور دوسری سرحدوں کی طرف بھیجدی گئی۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ بحرین کے علاقہ خط میں جاٹ اور سیابجہ آباد تھے، مامون نے ۲۰۵ھ میں ان سے جنگ کرنے کے لیے عیسیٰ ابن یزید جلودی کو پھر ۲۰۶ھ میں داؤد بن ماسجور کو متعین کیا، اس کے بعد ۲۱۹ھ میں عجیف بن عنبسہ نے ان کو زیر کیا۔

مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ معتصم کے زمانہ میں ہندستان کے بہت سے جہاز گرفتار کیے گئے، ان میں ایک بہت بڑی جمعیت تھی جو ساحل فارس، عمان اور بصرہ اور واسط کے درمیانی علاقہ میں ڈاکہ زنی اور قتل و خونریزی کیا کرتے تھے، ہندستان کے قحط اور گرانی کی وجہ سے یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں نقل مکان کرکے کرمان، فارس اور اہواز کے علاقہ میں آکر آباد ہوگئے، اور ان کو یہاں غلبہ حاصل ہوگیا، معتصم نے ان کو وہاں سے نکال کر خانقین اور جلولا میں اور شام کے شہر عین زربہ میں آباد کیا، اسی کے بعد سے

سے ملک شام میں بھینسوں کا رواج ہوا، اس سے پہلے وہاں کے لوگوں نے بھینس نہیں دیکھی تھی۔[1]

یہ ہے ہندوستان کے ان جاٹوں کی مختصر تاریخ جو قدیم زمانہ سے عرب میں آباد تھے، اور اسلامی دور میں انھوں نے بصرہ اور بغداد کے درمیان اپنی ایک آزاد ریاست قائم کرنے کی کوشش کی اور خلافت اموی اور خلافت عباسی میں بڑی شورش برپا کی تھی، اس لیے حکومت کو ان کا استیصال کرنا پڑا۔

جاٹوں میں بعض بڑی اور مشہور شخصیتیں بھی گذری ہیں، مثلاً ابو سالمہ زطی، یہ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ میں آبادسیابجہ کے حاکم مقرر کیے گئے تھے، نہایت صالح اور نیک بزرگ تھے، محمد بن عثمان زطی بصری کو جاٹوں نے اپنے غلبہ وفتنہ کے زمانہ میں اپنا حاکم بنایا تھا، اسی زمانہ میں انھوں نے سماق زطی نامی ایک شخص کو بھی اپنا امیر بنایا تھا، ان کے تفصیلی حالات کے لیے تاریخ ابن خلدون یا رجال السند والہند ملاحظہ ہو۔

میدھ ہندوستان کی ایک اور جماعت بھی قدیم زمانہ سے عرب میں پائی جاتی تھی، اس کو عرب "مید" کہتے ہیں، ایرانیوں کے توسط سے جو مید عرب میں گئے ان کی حیثیت شاہی فوج اور ایرانی لشکر کے سپاہی کی تھی، اور جنھوں نے بطور خود عرب میں بود و باش اختیار کی ان کو عرب مید یعنی ڈاکو اور بحری آفت کے نام سے موسوم کرتے تھے، کیوں کہ یہ لوگ عربوں کے جہازوں اور کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے۔ اور تجارتی کاروبار میں بڑی تباہی برپا کرتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ شاہان ایران نے سندھ اور بلوچستان پر قدیم زمانہ سے قبضہ کرکے یہاں کے جاٹ اور مید دو قوموں کو اپنی فوج میں رکھا تھا، اور وہ ان سے اپنی حکومت کے قیام و بقا میں کام لیتے تھے۔

---

[1] رجال السند والہند ص ۴۳، ۷۴ تا ۷۵ ذکر ابو سالمہ زطی

میدکی تحقیق غالباً اسی مید قوم کے بحری حملوں سے بچنے کے لیے عربوں کو ان ہی کے ہموطن سیابجہ اور بیاسرہ کو اپنے جہازوں کی حفاظت کے لیے رکھنا پڑتا تھا، جو ان پر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرتے تھے، اور اپنی نگرانی میں عربوں کے جہازوں کو ساحلِ مقصود تک پہنچاتے تھے۔

مید کا لفظ ہمارے خیال میں خالص عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی حرکت کرنے اور سمندر کی بدبودار ہوا اور موج کے اثر سے سر چکرانے اور قے کرنے کے ہیں، اور موائد اور مآود کے معنی دواہی یعنی سخت مصائب اور مشکلات کے ہیں، مید کی حقیقت سمجھنے کے لیے لسان العرب کی یہ تفصیل ضروری ہے۔

وقد ماد فهو مائد من قوم	مائد کی جمع میدیٰ ہے، جس طرح رائب کی
میدیٰ کرائب در وبیٰ ابوالهیثم	جمع روبیٰ ہے، ابوہیثم کا قول ہے کہ مائد
المائد الذی یرکب البحر	وہ شخص ہے جو سمندر کا سفر کرے اور
فتغثی نفسه من نتن ماء	سمندر کے پانی کی بدبو سے اس کا دماغ
البحر حتی یدار به ویکاد	خراب ہو جائے اور سر چکرانے اور بیہوش
یغشی علیه فیقال ماد به	ہونے لگے، ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ سمندر
البحر یمید به میداً، وقال	نے اس کو چکر میں ڈال دیا، چنانچہ ابوالعباس
ابوالعباس فی قوله ان تمید بکم	نے اللہ تعالیٰ کے قول ان "تمید بکم" کا مطلب
فقال تحرک بکم وتزلزل قال الفراء	یہ بیان کیا ہے کہ تم کو حرکت اور چکر میں
سمعت العرب تقول المیدیٰ	ڈالدے فراء نے کہا ہے کہ میں نے
الذین اصابهم المید من	عربوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میدیٰ وہ
الدوار، فی حدیث ام حرام	لوگ ہیں جن کو چکر کی وجہ سے غشی اور متلی
المائد فی البحر له اجر شهید	وغیرہ آنے لگے، اور حضرت ام حرام رض

هو الذی ید ا ر ر ا صـہ	کی حدیث یہ ہے کہ سمندر میں بیہوش ہونے والے کو
من ریح البحر و اضطراب	شہید کا ثواب ملتاہے، یہ وہ شخص ہو جس کا سر سمندر کی
السفینۃ بالامواج الازہری	ہوا اور موجوں کی وجہ سے کشتی کے ڈگمگانے سے
ومن المقلوب المواٸد والمآدد	چکرانے لگے، ازہری کا قول ہو کہ جن لسمار میں قلب ہو
الدواھی لہ	ان میں سے مواٸد اور مآود وہی مصائب کے معنی میں ہیں

حاصل یہ ہے کہ سمندر کی بدبودار ہوا اور موجوں کی وجہ سے یا جہازوں اور کشتیوں کے ہچکولے سے جو دوران سر، غشی، قے اور چکر وغیرہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے، اسے مید کہتے ہیں، یعنی سمندری بیماری کا نام مید ہے، جیسے سمندری بلا بھی کہہ سکتے ہیں اور ہندوستان کی یہ ساحلی قوم بھی جو عربوں کے تجارتی جہازوں کو لوٹتی تھی، بہت بڑی بحری بلا تھی، اس لیے وہ اسے مید کہنے لگے،

ہندوستان میں مید کا علاقہ مید یعنی بحری ڈاکو سندھ سے لیکر گجرات بلکہ اس سے بھی آگے تک ساحلی مقامات کے وہ شریر باشندے تھے جو سمندر میں ڈاکہ زنی کر کے خشکی کی کمائی کے ساتھ ساتھ بحری کمائی بھی کرتے تھے، ان کا عام مذہب بودھ مت تھا، قدیم جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے سندھ سے ہندوستان کا ساحلی راستہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے،

ومن مهران الیٰ اوتکین	مہران (دریائے سندھ) سے ہندوستان
وھی اول ارض الھند	کی ابتدائی سرحد اوتکین تک چار دن کی مسافت
مسیرۃ اربعۃ ایام و فی	ہے اور اس پورے علاقہ میں پہاڑوں میں بانس
ھذہ الارض ینبت القنا فی	ہوتا ہے اور وادیوں میں کھیتی ہوتی ہے، یہاں
جبالھا والزرع فی اودیتھا	کے باشندے بڑے سرکش، شریر اور
واھلھا عتاۃ مردۃ لصوص	چور ہوتے ہیں، یہاں سے دو فرسخ کے

لہ لسان العرب ج ۳ ص ۴۱۲

منها على فرسخين الميد[1] — فاصلے پر میدکا مقام آتا ہے۔

یعنی مہران (دریائے سندھ کے بعد) کی پہلی منزل سے سرکشوں، متمردوں، اور چوروں، ڈاکوؤں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، اوراس کے بعد کی منزل کوان ہی کے نام سے موسوم کرکے میدکہاجاتاہے، اس سے اندازہ ہوسکتاہے کہ یہ قوم عربوں کے جہازوں کے لیے کتنی بڑی مصیبت تھی، اصطخری نے لکھاہے کہ حدود سندھ کے تمام شہروں میں کفار کا مذہب بودھ ہے اوران کے ساتھ ہی ایک قوم ہے جسے میدکہاجاتاہے۔

والكفار في حدود بلاد السند	بلادِ سندھ کے حدود میں جو کفار ہیں
انما هم البدة وقوم يعرفون	وہ بدھ ہیں، اور ایک قوم ہے جسے مید
بالميد.[2]	کہتے ہیں۔

پھرآگے چل کر میدکے اصلی وطن، ان کی کثرت وشوکت اور دوسرے امور بیان کیے ہیں:

والميد فهم على شطوط مهران	اور مید مہران کے سواحل سے لیکر ملتان
من حد الملتان الى البحر	کی سمندری حد تک کے علاقہ میں آباد ہیں
ولهم في البرية التي بين مهران	اور مہران اور قامہل کے درمیانی میدانوں
وقامهل مراع ومواطن كثيرة	میں ان کی چراگاہیں اور بہت سی بستیاں
ولهم عدد كثير.[3]	ہیں اور انکی کثرت ہے۔

ابن خرداذبہ کے بیان کے مقابلہ میں اصطخری کا بیان زیادہ واضح اور پُر معلومات ہے، جس سے معلوم ہوتاہے کہ دریائے سندھ کے سواحل سے لیکر ملتان کی سرحد تک مید قوم آباد تھی اور دریائے سندھ سے ہندوستان کے سرحدی شہر قامہل تک پورا علاقہ اسی قوم کا مسکن تھا، اس سے مراد غالباً صحرائے سندھ سے لیکر کچھ، کاٹھیاواڑ اور راجستھان کا مغربی شمالی علاقہ ہے، جو ریگستان اور پہاڑوں پر مشتمل ہے اور پیداوار بھی خوب ہوتی ہے، آج بھی یہ

---

[1] المسالک والممالک ص ۶۲، [2] ایضاً ص ۱۷۰، [3] ایضاً ص ۱۷۰

علاقہ اپنی قدیم روایت کے ساتھ موجود ہے اور یہاں کے ریگستان عربی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔

میدکی شرارت اور مسلمانوں کی تادیب یہی سمندری لٹیرے (مید) تھے، جنھوں نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں سرندیپ سے آنے والے جہاز کو لوٹا تھا، جس میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے سوار تھے، اور سرندیپ کے راجہ نے ان کو عزت واحترام کے ساتھ اموی خلیفہ کی خدمت میں بھیجنا چاہا تھا۔

فعرض للسفينة التي كن	جس جہاز میں یہ عورتیں تھیں اس کو
فيها، قوم من ميد الديبل	دیبل کے مید کی ایک جماعت نے
في بوارج [1]	کشتیوں پر سوار ہو کر گھیرا،

ہندوستان کے یہ سمندری قزاق یہاں کے سواحل میں بہت دنوں تک آباد رہے، اور سمندر میں دہشت پھیلاتے تھے، تیسری صدی میں دولت ماہانیہ سنجان کے حکمرانوں نے ان کی سرکوبی کی، اور حدود یمن سے لیکر کاٹھیا واڑ تک کے سواحل کو ان سے پاک کیا [2]

مید قوم کے بارے میں عہد رسالت میں کوئی ایسی شہادت اب تک نہیں مل سکی ہے جس سے معلوم ہو کہ اس کو اسلام سے کیا تعلق تھا۔

سیابجہ یا سبابجہ جاٹ اور مید کے بعد ہندوستان کی ایک اور قوم عرب میں قدیم زمانہ سے پائی جاتی ہے، وہ سیابجہ (بالیار) یا سبابجہ (بالبا) ہے، بلاذری نے فتوح البلدان میں، اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں، بار بار سیابجہ استعمال کیا ہے، ہم نے بھی رجال السند والہند میں عام مورخوں کے بیان کے مطابق سیابجہ ہی لکھا ہے، مگر اس کے مقابلے میں ابن فقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں، ابن درید نے جمہرۃ اللغۃ میں اور ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں "سبابجہ" (جمع سیبجی

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۴، [2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ دولت ماہانیہ سنجان مندرجہ معارف مارچ تا مئی ۱۹۵۸ء

یا سائج) بتایا ہے،

سیابجہ کی تحقیق

علامہ سید سلیمان ندوی نے "عرب و ہند کے تعلقات" میں جگہ جگہ سیابجہ (معرب سیاہ بچہ) درج فرمایا ہے، مگر عربوں کی جہاز رانی میں ابن دُرید کی کتاب جمہرۃ اللغۃ سے سابجہ نقل کر کے لکھا ہے کہ:

" سابجہ کی ہندی اصل معلوم نہیں"۔ (ص ۱۹)

جو مورخین اسے سیابجہ بتلاتے ہیں ان کے نزدیک اساورہ جمع اسوار، اعامرہ جمع احمر، بیاسر جمع بیسر وغیرہ کی طرح یہ بھی سیبجی یا سائج کی جمع ہے، عربی میں لفظ سیج بروزن رغیف فارسی کے لفظ سیئ کا معرب ہے جس کے معنی قمیص کے ہیں، اس کی تصغیر سُیَیج ہے، محمد طاہر گجراتی نے لکھا ہے:

هو ثوب صوف اسود له[1]   یہ اون کا سیاہ کپڑا ہوتا ہے۔

لفظ "سیج" کے قریب قریب یہی معنی ابن خرداذبہ نے گینڈے کی سینگ کو بیان کرتے ہوئے لیے ہیں:۔

فیه صورة من اول القرن	اس کی سینگ میں شروع سے آخر تک
الی آخره فاذا اشق رأیت	صورت ہوتی ہے، جب وہ کاٹی جاتی
الصورة بیضاء فی سواد	ہے تو اس کے اندر سیاہ رنگ میں سفید
کالسبج فی صورة انسان	صورت نظر آتی ہے، سبج کے مانند، یہ
اودابة، اوسمکة اوطاؤس	صورت انسان، چوپایہ، مچھلی، مور،
اوغیره من الطیر[2]	وغیرہ کی ہوتی ہے،

سبجہ کے معنی سیاہ کمبل اور تسبّج کے معنی سیاہ کمبل پہننے کے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ اگر لفظ سیابجہ، سیبجی یا سائج کی جمع ہے تو اسی سے مشتق ہے، کیونکہ یہ لوگ عرب میں جا کر کشتیوں اور جہازوں کی بحری ڈاکوؤں سے حفاظت کا پیشہ کرتے تھے، اور ضرورت کے وقت ان سے جنگ

---

[1] مجمع البحار مادہ سبج، [2] المسالک والممالک ص ۶۷

کرتے تھے، بعد میں جیل خانے وغیرہ کے محافظ بھی ہوا کرتے تھے، اس لیے یہ لوگ سردی، پانی، اور موج وغیرہ سے بچنے کے عام طور سے سیاہ کمبل استعمال کرتے تھے، اس سے دشمنوں کے مقابلہ کی صورت میں جسم کی حفاظت بھی ہوتی تھی،

لسان العرب میں سبابجہ کا بیان اس طرح ہے :-

والسبابجة قوم ذو وجلد من	سبابجہ سندھ اور ہند کے قوی اور بہادر
السند والهند، يكونون مع	لوگ ہیں، جو سمندری کشتی کے مالک کے
رئيس السفينة البحرية يبذرقونها	ساتھ رہتے ہیں، اور اس کی حفاظت کر کے
قوتها...... واحدهم سبيجي	سمندری لٹیروں سے بچاتے ہیں، اس لفظ
ودخلت في جمعه الهاء	کا واحد سبیجی ہے اور اس کی جمع میں عجمیت
للعجمة والنسبة كما	اور نسبت کی وجہ سے حرف ہا، داخل
قالوا البرابرة، وربما قالوا	کر دیا گیا ہے، جیسے برابرہ جمع بربر میں ہے
السابج۔	اور واحد کے لیے سابج بھی استعمال کرتے ہیں،

اس میں سبابجہ کو سندھ اور ہند کی ایک قوی ہیکل اور ڈیل ڈول والی قوم بتایا گیا ہے جو بحری سفر میں محافظ فوج کی طرح رہا کرتی تھی، اور یہ لوگ عرب میں اسی کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے، ابن السکیت کا بیان ہے :

السبابجة قوم من السند	سبابجہ سندھ کی ایک قوم ہے، ان کو
يستاجرون ليقاتلوا فيكونون	مقابلہ کے لیے اجرت پر جہازوں اور کشتیوں پر
كالمبذرقة۔	ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ محافظ و نگراں کی حیثیت
	سے رہتے ہیں۔

امام لغت جوہری نے لکھا ہے :-

السبابجة قوم من السند	سبابجہ سندھ کی ایک قوم ہے جو بصرہ میں

كانوا بالبصرة جلاوزة — تعینات تھی، اور قید خانوں کی محافظ
وحراس السجن [1] — تھی۔

مشہور قدیم لغوی ابن درید نے جمہرۃ اللغۃ میں لکھا ہے

السابجة قوم من الهند — سابجہ ہندوستان کی ایک قوم ہے
يستاجرون للقتال — جن کو لڑنے کے لیے جہازوں اور کشتیوں
في السفن [2] — میں اجرت پر رکھا جاتا تھا،

ابن فقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں لکھا ہے۔

وعلوج السند السابجة [3] — سندھ کے چودھری اور حاکم کو سابجہ کہتے ہیں

ان بیانات سے سابجہ کے بارے میں اجمالی طور سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ وہ سندھ اور ہندوستان کے باشندے تھے، عرب کے ساحلی مقامات پر سکونت کرکے کشتیوں اور جہازوں پر ملازمت کرتے تھے اور بحری ڈاکوؤں سے بوقت ضرورت لڑتے تھے، بعد میں جب بصرہ آباد ہوا تو یہ لوگ یہاں کے جیل خانہ وغیرہ کے بھی نگراں مقرر کیے گئے۔

المنجد والے کی غلطی

ان قدیم اور مستند اقوال و تصریحات کے باوجود معلوم نہیں کن معلومات کی بنا پر المنجد کے نئے اضافے میں سابجہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ انڈونیشیا کے باشندے تھے، اور ۶۳۸ھ میں مسلمان ہوئے:

قوم قطنوا قبل الاسلام في — سیابجہ ایک قوم ہے جو قبل اسلام
سواحل خليج العجم اصلهم — خلیج فارس کے سواحل میں آباد تھی، اس
من جزيرة سومانترا، اعتنقوا — کی اصل جزیرہ سماترا ہے،
الاسلام ٦٣٨ء وتجندوا — یہ لوگ ۶۳۸ء میں مسلمان

---

[1] ان تمام اقوال کے لیے لسان العرب ج ۲ ص ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔ [2] جمہرۃ اللغۃ ج ۳ ص ۵۰۴ بحوالہ عربوں کی جہاز رانی ص ۱۹ [3] کتاب البلدان ص ۳۵۔

فی جیشہ، أقیموا حرسة	ہوئے اور اسلام کی فوج میں شامل ہوگئے پھر
علیٰ خزینة البصرة [۱]	یہی لوگ بصرہ بیت المال کے محافظ مقرر کیے گئے،

واقعہ یہ ہے کہ سیابجہ خالص ہندوستانی تھے، ان کو سماترا اور انڈونیشیا سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں ۱۳ھ کی تعیین کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

سیابجہ ایران میں عرب سے پہلے ایران میں سیابجہ کا نشان ملتا ہے، اور جاٹوں کی طرح ان کے ایران میں آنے، جانے اور رہنے کی تصریح ملتی ہے، ابوالفرج قدامہ بن جعفر بغدادی نے کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ میں لکھا ہے کہ انوشیروان بن قباد نے ایران کی حکومت سنبھالنے کے بعد تین شہر آباد کیے، شہر شابران، شہر مسقط اور باب الابواب، پھر لکھا ہے کہ:

وأسکن ما بنی من جند لا قوما	اور اس نے اپنے آباد کیے ہوئے شہروں
سماهم السیاسجیین [۲]	میں اپنی فوج کی ایک جماعت کو رکھا جن کو
	سیاسجیین کے نام سے یاد کیا،

سیاسجیین، سیابجہ اور سبابجہ میں بظاہر کوئی جوڑ نہیں معلوم ہوتا، مگر ممکن ہے سندھ اور ہندوستان کی یہی قوم ان نئے شہروں میں محافظ اور نگراں کی حیثیت سے رکھی گئی ہو، جو ان میں امن و امان کے قیام کے ساتھ ساتھ چوروں، ڈاکوؤں سے بھی ان کی حفاظت کرتی رہی ہو، اور سیاسجیین کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا ہو، پھر یہی لفظ معرب ہو کر سبابجہ یا سیابجہ بن گیا ہو، خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ سندھ کے سیابجہ ایرانیوں کی فوج میں شامل بھی تھے۔ اس کا بیان آ رہا ہے،

قدیم ایران میں سیاہ جرد، سیاہ مص اور سیاہ نام کی بستیوں کا تذکرہ کتابوں میں آتا ہے[۳]

---

[۱] المنجد طبع جدید ص ۴۵۶ [۲] نبذۃ من کتاب الخراج وصنعۃ الکتاب ملحقہ مسالک الممالک ص ۲۶۰ [۳] ص ۴۳، ۵۸، ۵۸۳

مکران کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس جگہ کے کالی نسل کے لوگوں کی بستیاں تھیں، مگر قیاس ہوتا ہے کہ ان میں ہندوستان کے سیاہ رنگ کے لوگ اکثریت میں آباد رہے ہوں گے جن میں جاٹ اور سیابجہ سب ہی شامل ہوں گے۔

سیابجہ عرب میں

یوں تو سیابجہ خلیج عرب کے ساحلی مقامات پر عام طور سے عہد رسالت اور اس کے بھی پہلے سے موجود تھے، مگر ابلہ جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا اور بحرین ان کے خاص مرکز تھے، بصرہ کے جاٹوں اور سیابجہ کے متعلق بلاذری کی یہ روایت گذر چکی ہے:۔

فانضم الی الاساورۃ السیابجۃ	سیاہ اسواری اپنے آدمیوں سمیت
وکانوا قبل الاسلام بالسواحل	اساورہ سیابجہ میں مل گیا، یہ لوگ اسلام
وکذالک الزط وکانوا	سے پہلے سواحل میں آباد تھے، اسی طرح
بالطفوف یتتبعون	جاٹ بھی تھے، جو سواحل میں چارے کی
الکلأ، [1]	تلاش میں پھرا کرتے تھے۔

یہاں پر طفوف وسواحل سے مراد بحرین اور عمان کے ساحلی مقامات اور بستیاں ہیں جن میں قطیف، ہجر، دارین، خط، قطر وغیرہ شامل تھے، اور یہ گذر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عہد صدیقی کے شروع ہوتے ہی، جب بحرین میں ارتداد کا فتنہ کھڑا ہوا تو کفار ومشرکین بھی حطم بن ضبیعہ کی سرکردگی میں اسلام کے خلاف اٹھے، جس میں جاٹوں کی طرح سیابجہ بھی گمراہ کرکے شامل کیے گئے،

حتی نزلہا القطیف و ھجر	حطم اپنی فوج لیکر قطیف اور ہجر آیا اور
واستغوی الخط، ومن فیہا	خط کی آبادی اور وہاں کے آباد جاٹوں اور
من الزط والسیابجۃ [2]	سیابجہ کو بہکا کر اپنے ساتھ کر لیا۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۷، [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۵، وکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۱۳۱

سیابجہ کے ان دو مرکزوں کے علاوہ ان کی کسی بڑی آبادی کا پتہ نہیں چلتا، لیکن ظاہر ہے کہ یہ لوگ منتشر طریقہ پر عرب موجود رہے ہوں گے،

سیابجہ ایرانی افواج میں

اگرچہ سیابجہ کے بارے میں، عام طور سے مورخوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ وہ کشتیوں اور جہازوں کی حفاظت کے لیے ملازم رکھے جاتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ وہ جاٹوں کی طرح ایرانیوں کی فوج میں شامل بھی تھے اور سندھ کی ایرانی فوجوں میں ان کا شمار تھا اور بیگار کے طور پر ان کو معمولی سی تنخواہ دی جاتی تھی، جیسا کہ علامہ بلاذری کا یہ بیان گذر چکا ہے۔

واما السیابجۃ والزط والاندغار فانھم کانوا فی جند الفرس ممن سبوہ وفرضوا لہ من اھل السند[1]	سیابجہ، زط، اور اندغار ایرانیوں کی اسی فوج میں تھے جسے انھوں نے گرفتار کرکے سندھیوں میں شمار کیا، اور ان ہی کی سطح پر رکھا،

اندغار ایک قوم تھی جو سجستان سے متصل کرمان کے اطراف میں رہتی تھی،

سیابجہ عربی معاشرہ میں

قدیم زمانہ سے سیابجہ کے عرب میں اچھی خاصی تعداد میں ہوتے اور عربی زندگی میں اپنی جگہ لینے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ عربی ادبیات میں ان کا تذکرہ پایا جاتا ہے، اور عربی شاعری نے ان کو اپنی تاریخ میں جگہ دی ہے، چنانچہ یزید بن مفرغ حمیری نے کہا ہے:

وطماطم من سیابیج حزی   یلبسونی مع الصباح القیودا

(سیابجہ کی محفوظ فوجیں مجھ کو صبح کے وقت بیڑیاں پہنا رہی ہیں۔)

اسی طرح ایک اور شاعر ہمیان نے کہا ہے:

لو لقی الفیل بارض سابجا   لدق منہ العنق والدوارجا

(اگر ہاتھی کا کسی جگہ سابجہ سے پالا پڑ جائے تو سابجہ اس کی گردن اور ہڈی پسلی کو توڑ دے گا)

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۰۶

سیابجہ عہد اسلام میں سیابجہ عہد رسالت کے پہلے سے عرب میں موجود تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے مسلمان ہونے کی تصریح ہم کو نہیں مل سکی، البتہ عہد فاروقی میں یا اس سے پہلے بصرہ اور اس کے اطراف کے سیابجہ بھی جاٹوں کی طرح مسلمان تھے، اور جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہاتھ پر ایران کے اساورہ مسلمان ہو کر بصرہ میں آباد ہونے کے لیے آئے تو ان ہی اساورہ اور سیابجہ کے یہاں اترے جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، اور جب جاٹ، سیابجہ اور اساورہ یکجا ہو گئے تو عرب کے قبائل نے ان کو اپنی اپنی طرف کھینچا جس کے نتیجہ میں اساورہ قبیلہ بنی سعد سے مل گئے، اور جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ میں چلے گئے، اور ہندوستان کی یہ دونوں قومیں مسلمانوں کے داخلی جھگڑوں سے الگ رہ کر اسلام کی سربلندی کے لیے کفار و مشرکین سے جنگ کرنے میں مسلمانوں کا ساتھ دینے لگیں، جیسا کہ جاٹوں کے بیان میں گذر چکا ہے،

سیابجہ کا بیرحمانہ قتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے بیت المال کی حفاظت کیلئے سیابجہ کی ایک جماعت تعینات رہتی تھی، ایک قول کے مطابق ان کی تعداد چالیس تھی، اور ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد .... چار سو، اس وقت حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عثمان بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ بصرہ آئے اور بصرہ کے بیت المال پر قبضہ کرنا چاہا، مگر اس کے نگراں و محافظ سیابجہ نے حضرت علیؓ کے آنے تک بیت المال کو ان کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجہ میں وہ سب کے سب ایک رات صبح ہوتے ہوتے قتل کر دیئے گئے، اس وقت سیابجہ کا افسر اعلیٰ ابو سالمہ زطی (جاٹ) تھا، جو بہت نیک شریف و صالح آدمی تھا، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے قدیم جاٹوں اور سیابجہ کی ایک بڑی جماعت کو بصرہ سے شام اور انطاکیہ کے سواحل میں منتقل کر کے وہاں آباد کیا، یہ پوری تفصیل علامہ بلاذریؒ نے "امر الاساورۃ والزط" کے ماتحت درج کی ہے [1]

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۶ تا ۳۶۹ ملخص،

احامرہ | عرب میں ہندوستان کی ایک اور جماعت زمانہ قدیم سے آباد تھی، جسے عرب حمراء، حمر، احامر اور احامرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے، اور اس کے ایک فرد کو احمر اور محمرہ کہتے تھے، جس کا ترجمہ ہم سرخ پوش یا سرخے کر سکتے ہیں، قدیم احامرہ میں صرف ہندوستانی شامل تھے اور بعد میں فارس کے ان موالی کو بھی حمراء اور احامرہ کہنے لگے تھے، جو عہد فاروقی میں اسلام لائے مگر ان کو عام طور سے حمراء دیلم کی نسبت سے یاد کرتے تھے، قدیم احامرہ سندھ کے رہنے والے تھے، ان کا قدیم نشان ہم کو مسعودی کی مروج الذہب میں ملتا ہے مسعودی نے بوداسف (گوتم بدھ) کے ہندوستان میں ظہور اور دعوت کے سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے:

وقیل ذالک فی حمر السند[1] — اور یہ بات سندھ کے حمر (سرخوں) کے بارے میں کہی گئی ہے۔

نیز علامہ سید سلیمان ندوی الملل والنحل شہرستانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

" بودھوں کا ایک تیسرا نام عربی کتابوں میں محمرہ ہے۔ یعنی سرخ کپڑے والے جس سے مقصود شاید گروا رنگ ہو، یا زعفرانی، یہ رنگ ان کے مذہبی پیشواؤں کی پہچان تھی"[2]

احامرہ کی تحقیق | لسان العرب میں ہے:

والعرب تسمی الموالی الحمراء	عرب اپنے موالی کو حمراء کہتے ہیں اور
والاحامرۃ قوم من العجم	احامرہ عجم کی ایک قوم ہے جو بصرہ میں
نزلوا البصرۃ[3]	آباد ہوئی،

اور اسی میں اساورہ کے بیان میں احامرہ کے بارے میں لکھا ہے۔

والاساورۃ من العجم	اساورہ عجم کی قوم ہے جو قدیم زمانہ
بالبصرۃ نزلوھا قدیما کالاحامرۃ	میں بصرہ میں آباد ہوئی، جیسے احامرہ

---

[1] مروج الذہب برحاشیہ کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۴، [2] عرب و ہند کے تعلقات ص ۲۲۰ و ۲۳۱ بحوالہ الملل والنحل شہرستانی برحاشیہ الملل والنحل ابن حزم ج ۲ ص ۲۴۲، [3] لسان العرب مادہ حمر ج ۴ ص ۲۱۰،

بالکوفۃ لہ — کوفہ میں آباد ہوئے۔

علامہ سمعانی نے ان کو قبیلہ ازد کی شاخ ہونے کا گمان ظاہر کیا ہے چنانچہ کتاب الانساب میں لکھا ہے:

الاحمر ھذہ النسبۃ الی	احمر کی نسبت سرخ رنگ کی طرف ہے، میرے
الاحمر وظنی انہ بطن من الازد ؎	خیال میں احمر قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے،

اس میں شک نہیں کہ عرب کے قدیم احامرہ ہندوستان کے باشندے تھے، اور عربی قبائل کے حلیف اور موالی بنکر ان کے ساتھ رہتے تھے، ہو سکتا ہے کہ قبیلہ ازد کی کوئی شاخ بھی احمر نامی ہو۔

اس کے بھی شواہد موجود ہیں کہ خود عربوں میں کچھ سرخ کپڑے پہننے والے احمر کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، حمیری زبان میں حَمَّرَ کے معنی حمیری زبان میں بات کرنے اور سرخ کپڑے پہننے کے آتے ہیں، ابن الانباری نے کتاب الاضداد فی اللغۃ میں لفظ وثب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظفار کے ملوک حمیر کے یہاں ایک آدمی آیا، بادشاہ نے کہا کہ مَنْ دَخَلَ ظفار حَمَّرَ پھر اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

ای تکلم بلسان حمیر،	یعنی حمیر کی زبان میں بات کرنے لگتا ہے،
وقال بعضھم معنی حَمَّرَ تَزَیَّاً	اور بعض اہل لغت کا قول ہے کہ حمّر کا مطلب
بزیھم ولبس الحمر	یہ ہے کہ حمیر کی ہیئت اختیار کرتا ہے اور
من الثیاب ؎	سرخ کپڑا پہنتا ہے۔

سرخ رنگ کی ممانعت

ہو سکتا ہے کہ احادیث میں شوخ کپڑا پہننے کی ممانعت مردوں کو اسی لیے ہو کہ یہ ایک بت پرست قوم کا مذہبی شعار تھا، جیسا کہ بدھوں کا ایک گروہ اسی سرخ رنگ کی وجہ سے ممتاز و معروف تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاہان حمیر کا یہ شاہی رنگ ہو، جس میں جاہلی غرور و نخوت کی بو تھی، اس لیے سرخ رنگ کو شیطان کا

لہ لسان العرب مادہ سورج ج ۲ ص ۸۰ ۲ ؎ کتاب الانساب ج ۱ ص ۱۸۳ ؎ کتاب الاضداد ص ۹۲ طبع کویت

محبوب ترین رنگ بتا کر اس سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

ایاکم والحمرۃ فانھا من احب	خبردار تم لوگ سرخ رنگ نہ استعمال کرنا کیونکہ
الزینۃ الی الشیطان۔	یہ رنگ شیطان کی بہت ہی پسندیدہ زینت ہے،

دوسری حدیث میں ہے:

نھی عن المیاثرۃ الحمر	آپ نے سرخ چادر اور سرخ گدی
والقسی [1]	کے استعمال کی ممانعت کی ہے۔

احامرہ اور غزوۂ تبوک

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یہ ہندوستانی سرخے مدینہ اور شام کے درمیان آباد بنو غفار کے حلیف بنکر بڑی تعداد میں موجود تھے، اور غزوۂ تبوک کے موقع پر بنو غفار کی معیت میں اسلامی جہاد میں شریک نہیں ہوئے، چنانچہ امام بخاری نے الادب المفرد میں غزوۂ تبوک کے سلسلے میں ایک طویل روایت نقل کی ہے، جس میں راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو رہم رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ ہے، اس روایت کا آخری حصہ حضرت ابو رہم رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ ہے:-

فطفق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے ان لوگوں
یسألنی عن من تخلف من بنی	کے بارے میں مجھ سے سوال فرمانے لگے جو غزوۂ
غفار وھو یسألنی فقال ما فعل	تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ آپ نے مجھ سے دریافت
النفر الحمر الطوال الثط، قال	فرمایا کہ لمبے چوڑے پیٹ والے سرخوں کا کیا حال ہے؟
فحدثتہ بتخلفھم قال فما	میں نے بتایا کہ وہ شریک نہیں ہوئے، پھر آپ نے فرمایا کہ
فعل السود الجعاد القصار الذین	گھونگھریالے بال والے کالے لوگوں (غالباً حبشی) کا کیا
لھم نعم بشبکۃ شرخ [2]	معاملہ رہا جن کے جانور مقام شبکۂ شرخ میں ہیں،

---

[1] کنز العمال ج ۸ ص ۲۰۰، [2] الادب المفرد ص ۱۱۲ طبع آزہر مصر،

لسان العرب میں "مادہ ثطط" میں اس حدیث کا ایک ٹکڑا یوں درج ہے :-

فقال ما فعل النفر الحمر — آپ نے النفر الحمر الثطاط فرمایا.....

الثطاط ...... وروی ھذہ — اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے الحمر

الحدیث ما فعل الحمر الثطاط[1] — الثطاط فرمایا۔

ثط جس کی جمع ثطاط ہے، بڑے پیٹ والے سست آدمی کو کہتے ہیں، اور اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو کوسج ہو، جس کے چہرے پر بال نہ ہوں یا کم ہوں، اور ثطط، ثطناط کی جمع ہے جس کے معنی طویل کے ہیں،

ہمارا خیال ہے کہ النفر الحمر الطوال الثطط سے مراد بنو غفار کے ہندوستانی موالی (احامرہ) ہیں اور السود الجعاد القصار سے مراد بنو اسلم کے حبشی موالی ہیں، جیسا کہ ابو رہم کی اسی روایت میں ہے کہ میں نے ان کے متعلق سوچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ تو اسلم سے ہیں، علمائے فن کو اس کی مزید تحقیق کرنی چاہیے، ہم نے ظاہری الفاظ و بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

حمراء دیلم یہ تو قدیم احامرہ کی باتیں تھیں، جو ہندوستان کے باشندے تھے، اور قدیم زمانہ سے عرب میں دوسرے ہندوستانی گروہ کی طرح آباد ہو کر عربی زندگی میں ضم ہو گئے تھے، بعد میں حمرا اور احمر کے نام سے ایک جماعت مشہور ہوئی، جو عام طور سے حمراء دیلم کی نسبت سے پہچانی جاتی تھی، علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں مسعر بن کدام سے روایت کی ہے کہ قادسیہ کی جنگ میں ایرانی سپہ سالار رستم کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے چار ہزار ایسے فوجی تھے جو "جند شہنشاہ" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔

شاہی فوج کے یہ سپاہی اسلام قبول کر کے مسلمانوں سے امن خواہ ہوئے اور شرط یہ لگائی کہ وہ عرب میں جہاں چاہیں گے آباد ہوں گے اور جس قبیلہ کے چاہیں گے حلیف بنیں گے،

---

[1] لسان العرب ج ۷، ص ۲۹۶

اور ان کے لیے بھی مسلمانوں کی طرح سرکاری وظیفے مقرر کیے جائیں گے، ان کی یہ تمام شرطیں منظور کی گئیں، اور وہ لوگ بنی تمیم کی ایک شاخ بنو زہرہ بن حویہ سعدی کے حلیف بنے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے حسب منشا مقام بصرہ میں آباد کیا، اور ان کے وظیفے مقرر کیے، اور ان کو حمراء دیلم کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

وکان لھم نقیب منھم یقال	ان ہی میں سے ان کا سردار تھا جسے دیلم کہا جاتا تھا،
لہ دیلم فقیل حمراء دیلم	چنانچہ ان لوگوں کو حمراء دیلم کے لقب سے یاد کیا گیا۔

اس کے بعد علامہ بلاذری نے ابو مسعود راوی کا یہ بیان نقل کیا ہے،

والعرب تسمی العجم الحمراء	عرب عجمیوں کو حمراء کے نام سے پکارتے ہیں
ویقولون جئت من حمراء دیلم	اور محاورہ کے طور پر کہتے ہیں کہ حمراء دیلم کے
کقولھم جئت من جھینیۃ	یہاں سے آرہا ہوں، جس طرح کہتے ہیں کہ
واشباہ ذلک[1]	میں قبیلہ جہینہ وغیرہ کے یہاں سے آرہا ہوں،

دوسری روایت میں ہے کہ یہ لوگ فتح قزوین اور فتح زنجان کے موقع پر مسلمان ہوئے اور زہرہ ابن حویہ کے ساتھ کوفہ میں ٹھہرے،[2]

تین احمری طبری نے عہد صدیقی میں عراق کی فتوحات کے بیان میں تین ایسے راویوں کے نام لیے ہیں جو احمری کی نسبت سے مشہور ہیں: (۱) زیاد بن سرجس احمری (۲) سفیان احمری (۳) عبدالرحمٰن ابن سیاہ احمری، بلکہ مؤخر الذکر کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے:

وعبد الرحمٰن بن سیاہ	عبدالرحمٰن بن سیاہ احمری وہ شخص ہے جسکی
الاحمری الذی ینسب الیہ	طرف حمراء کی نسبت کی جاتی ہے، اور ان کو
الحمراء فیقال سیاہ[3]	بھی سیاہ کہا جاتا ہے،

معلوم نہیں یہ تینوں احمری اشخاص نسلاً ہندوستانی تھے یا حمراء دیلم سے تھے، جن کے وطن

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۹۰ [2] الیضاً ص ۳۱۳ [3] تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۰۶۲

اور نسل کی کوئی تعیین نہیں ہے، البتہ وہ رستم کے ساتھ جنگ قادسیہ میں ایران کی شاہی فوج میں تھے،

اَساوِرَہ عہد رسالتؐ اور اس سے آگے پیچھے کے ادوار میں اساور اور اساورہ کا نام کثرت سے ملتا ہے، عرب کے غیر ملکیوں میں ان کی تعداد سب سے زیادہ تھی، اور غلبہ و شوکت کے اعتبار سے بھی یہ طبقہ سب سے اعلیٰ تھا، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ عراق سے لیکر یمن تک کے پورے ساحلی عرب کی سیاست و حکومت پر اسی کا قبضہ تھا، اور شاہان ایران کے نام پر یہی لوگ حکومت کرتے تھے، اساورہ ایران کی شاہی فوج تھے، جو ایران، عرب اور دوسرے ایرانی مقبوضات پر شہنشاہیت کے محافظ تھے، اور کسرائیوں کی حکومت میں ان کی بڑی اہمیت اور قدر و قیمت تھی، یہ لوگ زط اور سیابجہ، احامرہ اور دوسرے عجمیوں کی طرح عربی زندگی میں مل جل کر نہیں رہتے تھے، بلکہ ان کی شان و شوکت اور اقتدار نے ان کو حاکمانہ حیثیت دے رکھی تھی، البتہ اسلام کے بعد جب عجمی غرور ٹوٹا تو ان کی ایک بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کی، اور عرب قبائل کے ساتھ مل کر عربی زندگی اختیار کر لی، اس سے پہلے وہ اپنے کو سرکاری سطح پر رکھ کر ایرانی طرز کی زندگی گذارتے تھے، اور عربوں سے بہت کم اختلاط رکھتے تھے۔

اساورہ کی تحقیق اساور اور اساورہ لفظ اسوار کی جمع ہیں، اور اسوار ہمارے خیال میں سنسکرت کے دو لفظوں سے مرکب ہے، "اشو" بمعنی اسپ (گھوڑا) اور "وار" بمعنی بلند و بالا، یعنی گھڑسوار[۱] یہ واضح رہے کہ پہلوی زبان اور سنسکرت زبان کے

---

[۱] یہ لفظ زردشتوں کی مذہبی کتاب "اوستا" میں اسپو بارہ، اور پہلوی زبان میں اسوبارہ، اور پازند میں "اسوار" ہو اردو زبان میں بھی یہ لفظ عام طور سے سوار یا شہسوار کے معنی میں مستعمل ہے مصحفی کا شعر ہے:۔

لٹیں اس زلف کی باہم گتھی کیا لطف دیتی ہیں ۔۔۔ تماشا ہے جو ناگن کوئی ہے "اسوار" ناگن پر

مثنوی طلسم الفت میں ہے:۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

بہت سے مفرد الفاظ میں حرفی اور صوتی مشابہت اور ان دونوں زبانوں میں آریائی رشتہ سے ہم آہنگی ہے، اس لیے اسوار (اسپ سوار) کی یہ فارسی ترکیب بھی سنسکرت سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ قدیم ایرانی حضرت آدم علیہ السلام کو جیوُمُرت کے لقب سے یاد کرتے تھے، اور اس کا ترجمہ ابن خردا ذبہ نے اپنی کتاب المساک والممالک کے شروع میں یوں کیا ہے :-

الجیوالحی، المرت المیت[1]	جیو کے معنی زندہ اور مرت معنی مردہ ہے،

اسی طرح اور بہت سے الفاظ اور ترکیبوں میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے، جن میں سے لفظ اسوار بھی ہے، عربوں نے اس لفظ کو اپنے تلفظ میں مختلف طریقوں سے استعمال کیا ہے، اور اس کے معنی اسپ سوار یا شہسوار بیان کے لیے ہیں، لسان العرب میں ہے:

الاسوار، والاسوار، قائد	اُسوار اور اِسوار فارس کے فوجی افسر کو
الفرس وقیل ھوالجید الرمی	کہتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اچھا تیر انداز اور یہ بھی
وقیل ھوالجید الثبات علی	کہا گیا ہے کہ اسوار وہ ہے جو گھوڑے کی پیٹھ
ظھرالفرس، والجمع اساورۃ	پر جم کر بیٹھ سکے، اس کی جمع اساورہ اور
واساور .... والاسوار	اساور ہے اور اُسوار اور اِسوار اساورۃ
والاسوارالواحد من اساورۃ	فارس کا واحد ہے جو ان کا جنگی شہسوار
فارس وھو فارس من فرسانھم	ہوتا ہے، اور اساورہ میں بار پاتے

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رفتار میں بھی پڑ گئی الجھیل	جاگے اسوار چونک اٹھے پیدل

اسلام کھنڈ میں ہے:

حارث اور سنجا کی بہادر بلیس ادھر کوئے تلوار	مار بچھا دیں پرے اُدھر کے گریں اسوارن پر اسوار
گھوڑے بوڑ رہے لوہو میں لوہو بوڑ رہت اسوار	دھرتی بوڑ رہی لوہو میں، لوہو بوڑ رہی تلوار

[1] المسالک والممالک ص ۲

المقاتل والهاء عوض من الیاء وکان | کے بدلے میں ہے، گویا اس کی اصل اساویر ہے،
اصلہ اساویر وکذلک الزنادقۃ | اسی طرح زنادقہ ہے کہ اس کی اصل زنادیق ہے،
اصلہ زنادیق عن الاخفش[1] | یہی قول اخفش کا ہے۔

غرض اُسوار اور اِسوار دو طرح سے استعمال ہوتا ہے، اور ایرانی فوج کے افسر، بہترین تیرانداز اور بہترین شہسوار وغیرہ کے معنی میں آتا ہے، ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ لفظ سوار جو گھوڑے کی سواری کرنے والے کے معنی میں ہے، وہ دراصل اسوار ہے، کثرتِ استعمال سے شروع کا ف ساقط ہو گیا ہے، جیسے اسیوط اور سیوط دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، اور دونوں صحیح ہیں۔

اساورہ ایرانی فوج میں

اساورہ ایرانی فوج کے شہسوار تھے، اور شاہان ایران کی فوج میں "جند شاہ" کہلاتے تھے اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، ہندوستان کی دو قومیں خاص طور سے شاہانِ ایران کی فوج میں شامل تھیں، ایک جاٹ اور دوسری میڈ، ان کے علاوہ ہندوستان کے سیابجہ بھی ان میں تھے، اور سندھ و بلوچستان پر ایرانی قبضہ کی بنا پر ان مقامات کے لوگ بھی ان میں بھرتی تھے، اس طرح اساورہ میں ایرانیوں کی طرح ہندوستانی شہ سوار بھی موجود تھے، مگر ان کا تعلق ایرانی فوج سے تھا، اس لیے ان کا ہندوستانی ہونا ظاہر نہ ہو سکا، ورنہ اساورۂ فرس کی طرح اساورۂ ہند بھی پائے جاتے تھے،

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں ایک واقعہ لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایران کا بادشاہ بہرام جور بن یزد اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں بھیس بدل کر ہندوستان چلا آیا تھا، اور معمولی آدمی کی طرح گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا، اتفاق سے اس نے ایک ہاتھی مار ڈالا، اس کا تذکرہ مقامی راجہ کے دربار تک پہنچا، اسی زمانہ میں اس راجہ کا ایک حریف راجہ حملہ کی تیاری کر رہا تھا جس سے وہ بہت پریشان تھا، بہرام جور نے دربار میں جا کر اپنی بہادری کا واقعہ بیان کیا اور حملہ آور راجہ کے مقابلہ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، اور جب راجہ نے حملہ کیا تو

---

[1] لسان العرب ج ۴ ص ۳۸۸

بہرام جور نے ہندوستان کے اساورہ کو لیکر بڑی حکمت عملی سے مقابلہ کیا اور اسے شکست دی:

فرکب بہرام فی سلاحہ وقال	بہرام اسلحہ پہنکر نکلا، اور ہندوستان کے اساورہ
لأساورة الهند احرسوا ظهری	سے کہا کہ تم میرے پیچھے پہرہ دو پھر سامنے میرا
ثم انظروا الی عملی فیما أماحی	کارنامہ دیکھو، یہ لوگ اچھی طرح تیراندازی نہیں
وکانوا قوماً لا یحسنون الرمی	کر سکتے تھے، اور ان میں اکثر پاپیادہ
واکثرهم رجالة [1]	تھے۔

بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیابجہ جو خالص ہندوستانی تھے، وہ اساورہ کے نام سے بھی یاد کیے جاتے تھے، چنانچہ شیرویہ اسواری کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں علامہ بلاذری کا یہ قول گذر چکا ہے کہ:

فانضم الی الاساورة السیابجة [2] — وہ بصرہ کے اساورہ سیابجہ سے مل گیا۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اساورہ میں ہندوستانیوں کی تعداد کافی تھی، مگر ایرانیوں کے غلبہ کی وجہ سے ہم ان کو شناخت نہیں کر سکتے، پھر اساورہ اور خالص ہندوستانی زط اور سیابجہ میں ذہن وفکر اور معاشرت کے اعتبار سے بڑی حد تک یکسانیت تھی، اور یہ تینوں جماعتیں ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی تھیں، چنانچہ یہ تینوں قومیں اسلام لانے کے بعد بھی ایک دوسری سے اس طرح مل کر رہیں کہ ان کی وحدت قائم رہی۔

عہدِ فاروقی میں اساورہ کا اسلام لانا عہد فاروقی میں جب عجمیوں کی شوکت ختم ہوئی اور قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں، اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ساتھ ہوگئیں، بلاذری کی ایک روایت میں ہے کہ اساورہ مسلمان ہونے کے بعد بصرہ کے سیابجہ اور جاٹوں کے ساتھ مل گئے، مگر بعد میں عرب قبائل نے ان کو الگ کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور ان کی جمعیت ختم کر دی،

---

[1] کتاب المعارف طبع مصر ص ۲۹۰، [2] فتوح البلدان ص ۳۶۷

فلما اجتمعت الاساورة والزط	جب اساورہ اور جاٹ اور سیابجہ یکجا
والسیابجة تنازعتهم	ہو گئے تو بنو تمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا جس
بنو تميم فرغبوا فيهم فصارت	کے نتیجہ میں اساورہ بنی سعد میں مل گئے اور
الاساورة فی بنی سعد والزط	جاٹ اور سیابجہ بنی حنظلہ کے ساتھ
والسیابجة فی بنی حنظلة [۱]	ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیابجہ، جاٹ اور دیلم تینوں فارس کی فوج میں تھے جن کو ایرانیوں نے قید کر کے اور اہل سند کے زمرہ میں شامل کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا تھا،

فلما سمعوا بما کان من	جب ان لوگوں نے اساورہ کا حال سنا
امر الاساورة اسلموا واتوا ابا موسیٰ	تو وہ بھی مسلمان ہو کر ابو موسیٰ کے پاس آئے
فانزلهم البصرة کما انزل	ابو موسیٰ نے اساورہ کی طرح ان کو بھی بصرہ
الاساورة [۲]	میں آباد کیا۔

ان تینوں قوموں نے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے داخلی معاملات سے الگ رہنے کا عہد و پیمان کیا تھا، اور مدتوں اس معاہدہ پر کاربند رہ کر جنگ جمل وصفین وغیرہ سے الگ رہیں،

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خالص ہندوستانی نسل کے سیابجہ، جاٹوں اور اساورہ میں ہر اعتبار سے بڑی ہم آہنگی تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب قومیں ایک ملک ہی کی رہنے والی ہیں، اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اساورہ میں بھی ہندوستان کے سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی،

جیسا کہ معلوم ہوا۔ اساورہ ایرانی حکومت کے لیے قوت بازو تھے، اور پوری مملکت میں امن وامان کا قیام، حکومت کی نگہداشت اور حکمرانی ان ہی کے بل بوتے پر ہوتی تھی،

---

[۱] فتوح البلدان ص ۳۶۷، [۲] ایضاً ۳۶۸

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق کا شہر ابلہ جہاں ۱۴ھ میں بصرہ آباد ہوا اساوِرَ کا سب سے بڑا مرکز تھا، اور یہ لوگ دوسرے سواحلی مقامات میں بھی بڑی تعداد میں قدیم زمانہ سے موجود تھے،

صرف ابلہ میں اسلام سے پہلے اساورہ کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب ۱۵ھ میں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ادھر کا قصد کیا تو اس وقت پانچ سو اساورہ شہر ابلہ کی حفاظت کرتے تھے، تاریخ طبری میں ہے:۔

وبالأبلة خمسمأئة من الاساورة	ابلہ میں پانچ سو اساورہ تعینات تھے جو
یحمونها وكانت مرفأ السفن	اس کی حفاظت کرتے تھے، ابلہ، چین اور
من الصين ومادونها [1]	اسکے علاوہ ملکوں کے جہازوں کی بندرگاہ تھا۔

اور کامل ابن اثیر میں ہے:۔

اقام نحو شهر فخرج اليه اهل	حضرت عتبہ تقریباً ایک ماہ تک فوج لیکر
الأبلة، وكان خمسمأئة اسوار	ٹھہرے رہے اور ابلہ کے پانچ سو محافظ اساوِرَ
یحمونها [2]	ان کے مقابلے کے لیے نکلے،

بلکہ یہاں کا حاکم ہرمز جو خود بھی اسوار تھا، اساورہ کو لے کر ہندوستان اور عرب میں جنگ کرتا تھا:

فكان صاحبه اسوار اسمه	یہاں کا حاکم ہرمز نامی ایک اسوار تھا
هرمز يحارب العرب فى البر	جو خشکی میں عربوں سے اور سمندر میں
والهند فى البحر [3]	ہندوستان سے جنگ کرتا رہا۔

چنانچہ کسریٰ انوشیرواں نے اپنی حکومت کے دور میں ان ہی فوجوں کے ذریعہ سرندیپ پر حملہ کرایا تھا، اور اس کی فوجوں نے وہاں کے راجہ کو قتل کر کے بہت سا مال کسریٰ کے پاس

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۵۰ [2] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۹ [3] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۷

بھیجا تھا، (ابن خلدون ج ۱ ص ۱۷۱) ظاہر ہے کہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی صورت میں ایرانی اساورہ کی طرح ہندوستانی اساورہ بھی شریک ہوتے رہے ہوں گے۔ بلکہ ہندوستانیوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا پڑا ہوگا،

اساورہ اور دوسرے ہندوستانیوں کی کثرت کی وجہ سے ابلہ کا شہر ارض الہند اور فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت میں جب حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کے دوسرے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر قبضہ کیا، اور وہاں کا عرب بادشاہ سیف بن ذی یزن حمیری کسریٰ انوشیرواں کے دربار میں مدد کا طالب ہوا تو اس نے اپنے آٹھ سو قیدیوں کو دہرز نامی ایک اسوار کی زیر قیادت آٹھ کشتیوں میں سوار کر کے یمن روانہ کیا جن میں سے دو کشتیاں سمندر میں ڈوب گئیں، اور باقی ایرانی ساحل حضرموت پر اترے، اور یمن پر قبضہ کیا۔

نقوّد علیهم قائداً من اساورته	اور کسریٰ نے ان پر ایک فوجی افسر دہرز
یقال له وهرز وقیل بل کان	نامی کو مقرر کیا، ایک قول ہے کہ دہرز قیدیوں
من اهل السجون سخط علیه	میں سے تھا، اسے کسریٰ نے ایک جرم میں گرفتار
کسریٰ لحدث احدثه	کر کے قید کر دیا تھا، یہ شخص ایک ہزار اسوار
فحبسه وکان یقبد بالف اسوار[1]	کی قیادت کرتا تھا۔

یمن کے ابناء اساورہ کی اولاد ہیں

یمن پر ایران کا قبضہ ہو جانے کے بعد یہاں کسریٰ انوشیروان کے نائب رہنے لگے اور اسی زمانہ سے پورے یمن میں اساورہ کا عمل دخل ہو گیا، اور یہاں ان کی جو نسل پھیلی اور بڑھی ان کو عرب اپنی اصطلاح میں "ابناء" کہنے لگے، اس طرح یمن کے اساورہ کی اولاد ابنائے یمن کہلائی، جن میں اہل فارس کی طرح اہل ہند کی اولاد بھی شامل رہی ہوگی، مگر جس طرح اساورہ کے جامع لفظ

---

[1] الکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۵۸

سے ہم ہندوستانی سواروں کو نہیں نکال سکتے۔ اسی طرح ان ابنائے یمن سے ہندوستانی سپوتوں کو الگ نہیں کر سکتے، اگر یہ عقدہ حل ہو جاتا تو ایران کے بہت سے اسلامی مفاخر ہندوستان کے حق میں نظر آتے، اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ابتدائی باب دوسرے ہی انداز میں لکھا جاتا۔

عرب میں اساورہ کا اقتدار

عہد رسالت میں اساورہ عراق سے لیکر یمن اور ساحلی مقامات میں بکھرے ہوئے تھے اور جگہ جگہ کسریٰ کی زیر نیابت حکومت کرتے تھے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں اور حافظ ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں حضرت ابوشداد زماری یمانیؓ سے روایت کی ہے کہ ہمارے یہاں عمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ آیا جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا، ہمارے یہاں کوئی آدمی اس خط کا پڑھنے والا نہیں ملتا تھا، آخر میں ایک لڑکے نے اسے پڑھکر ہمیں سنایا، راوی کا بیان ہے:

قلت فمن كان يومئذ على	میں نے ابوشداد سے دریافت کیا کہ اس وقت
عمان قال اسوار من اساورة	عمان کا حاکم کون تھا؟ انھوں نے بتایا کہ
كسرى له	کسریٰ کا ایک اسوار حکومت کرتا تھا۔

یمن میں اساورہ کی بڑی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی، چنانچہ کسریٰ کے مرنے کے بعد یمن کے ایرانی حکمراں حضرت باذان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی، اور جب وہ بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہوگئے تو اپنے تمام اساورہ کو جو اس وقت موجود تھے بلاکر اسلام قبول کر لینے کی وصیت کی:

فاجتمعت له اساورته فقال	اساورہ نے ان کے پاس جمع ہوکر کہا کہ آپکے

لہ اصابہ ج ۴ ص ۱۰۵ واستیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷

(فقالوا) من نؤمّر علینا؟ — بعد ہم کس کو اپنا امیر و حاکم بنائیں؟ تو باذان

فقال اتبعوا هذا الرجل، — نے کہا تم لوگ اس آدمی (رسول اللہ صلی اللہ

وادخلوا فی دینه — علیہ وسلم) کی پیروی کرکے اس کے دین میں داخل

واسلموا۔ [1] — ہونا اور اسلام قبول کرلینا۔

غالباً یہ تمام اساورہ حضرت باذان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عہد رسالت میں مسلمان ہوگئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ میں ان کا انتظام حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا تھا، تاریخ طبری میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے ہر طرف

توفى وقد فرق فيهم عماله فكان — اپنے عمال مقرر فرمادیے تھے، چنانچہ زبرقان بن بدر

الزبرقان بن بدر على الرباب وعوف — قبیلہ رباب، قبیلہ عوف اور ابناء یمن کے حاکم تھے،

والابناء فيما ذكر السرى [2] — جیسا کہ سری نے بیان کیا ہے۔

---

[1] السیرۃ المحمدیہ والطریقۃ الاحمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی برویز بن ہرمز انوشیروان۔

مولانا محمد کرامت علی بن محمد حیات علی دہلوی موسوی اسرائیلی شافعی گزشتہ صدی کے بہت بڑے عالم و محدث تھے، دہلی میں پیدا ہوئے، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی، مولانا فضل امام خیرآبادی اور مولانا اسمٰعیل دہلوی سے تعلیم حاصل کی، اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث کی سند لی، مدتوں دہلی میں درس دیا، پھر حیدرآباد گئے اور ۱۲[illegible]ھ میں وہیں وفات پائی، انکی کتاب السیرۃ المحمدیہ والطریقۃ الاحمدیہ عربی زبان میں سیرت نبوی کی اہم کتابوں میں ہے جسے موصوف نے سیرت حلبیہ اور احادیث سیر کی بہت سی مستند کتابوں سے مرتب کیا ہے، یہ کتاب بڑے سائز کے چھ سو صفحات پر، ہر صفحہ میں ۳۵ سطریں ہیں، چھپی ہے، طباعت نہایت اعلیٰ اور قدیم ہے، تعجب ہے کہ ہندوستان میں سیرت نبوی پر عربی زبان میں اتنی اہم اور اس قدر ضخیم و مستند کتاب لکھی گئی مگر آج علماء اس سے تقریباً بے خبر ہیں، اس پر نہ سنہ طباعت ہے نہ مطبع کا نام ہے نہ صفحات پر ہندسے ہیں۔

[2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۳۶

اسواری رجال علم وفن

یمن کے یہ ابناء اساورہ نسل سے تھے، اور عرب ان کو اسی خاص لقب سے یاد کرتے تھے، علامہ ابن سعد نے طبقات میں اہل یمن کے تذکرے میں خاص طور سے ابنائے یمن کی تصریح کی ہے کہ کون کون بزرگ ابناء میں سے تھے۔

اسی طرح مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم نے اپنے اہل بیت میں شمار فرمایا ہے، ایک قول کی رو سے اساورہ ہی میں سے تھے، اصطخری نے لکھا ہے:

ویقال ان سلمان الفارسی من ولد الاساورۃ[1]	ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اساورہ کی اولاد سے تھے۔

بعد میں اساورہ میں بڑے بڑے علمائے اعلام اور رجال اسلام پیدا ہوئے، ان ہی میں معتزلی عالم موسیٰ بن سیار اسواری بھی ہیں، جن کے بارے میں جاحظ نے کہا ہے کہ وہ دنیا کے عجائب میں سے تھے، عربی اور فارسی زبانوں کے یکساں ماہر تھے۔ ان کی علمی مجلس میں دائیں طرف عرب اور بائیں طرف عجمی بیٹھتے تھے اور جب وہ قرآن کی ایک آیت پڑھتے تو عربوں کے لیے عربی زبان میں اور عجمیوں کے لیے فارسی زبان میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔

عربی شاعری میں اساورہ کا ذکر

اساورہ چونکہ جنگ جو اور جنگ آزما تھے، اس لیے ان کا تذکرہ شعرائے عرب نے اسی وصف کے ساتھ کیا ہے، اور جاہلی دور سے لیکر اسلامی دور تک کی شاعری میں ان کا ذکر اسی انداز میں موجود ہے، نابغہ ذبیانی کہتا ہے:

فظل فی سبعۃ منھا لحقن بہ	یکر بالروق فیھا کر اسوار[2]

وہ اپنے دس کتوں میں سے سات کے ساتھ دشمن مارڈالے گئے

ایک اور شاعر کہتا ہے:

---

[1] مسالک الممالک ص ۹۴ [2] جمہرۃ اشعار العرب ص ۵۵

فجئنا بجی وائل وبلفتھا وجاءت تمیم زطھا والاساور[۱]

(ہم وائل کے دونوں قبائل اور اس کے آدمیوں کو لائے، اور بنو تمیم جاٹوں اور اساورہ کو لائے)

عبداللہ بن عوہم کا قول ہے:

ویغنی الزط عبد القیس عنا وتکفینا الاساورۃ المزونا[۲]

(قبیلہ عبدالقیس کے لیے ہماری طرف سے جاٹ کافی ہیں، اور ہمارے لیے اساورہ کافی ہیں)

ایک اور شاعر کہتا ہے:

ودستر الاساورۃ القیاسا صغدیۃ تنتزع الانفاسا

(اور اساورہ نے صغدی کمانیں سنبھال لیں جو کہ سانس تک کو کھینچ لیتی ہیں)

نابغہ جعدی کا قول ہے:

یبیت اذا ابدی بروق کانھا سیوف نخوف جردتھا الاساورہ

(اس کی رات یوں بسر ہوئی کہ جب بجلیاں چمکتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھمسان کے رن کی تلواریں ہیں جن کو اساورہ نے نیاموں سے نکالا ہے)

حضرت حارث بن سمی بن رواس ہمدانی مرہبی رضہ جو جنگ قادسیہ میں شریک تھے، ان کا قول ہے:

اقدم اخافہم علی الاساورۃ ولاتھالن لرؤوس نادرۃ[۳]

(میں ان کو ڈراتا دہلاتا ہوا اساورہ پر حملہ کرکے بڑھ رہا تھا اور تم گرتے ہوئے سروں سے نہ ڈرو)

اسی طرح عربی اشعار و ادبیات میں اساورہ کے تذکرے ملتے ہیں، جن میں ان کی بہادری جنگ آزمائی اور شوکت کا بیان ہے۔

بیاسرہ بیاسرہ کا واحد بیسر اور بیسری استعمال ہوتا ہے، یہ بھی ہندوستان کی ایک قوم ہے جو عرب میں پائی جاتی تھی، اور یہ لوگ بھی سیابجہ کی طرح عربوں

---

[۱] لسان العرب ج ۶، ص ۳۰۸ [۲] ایضاً ج ۴ ص ۳۸۸ [۳] اصابہ ج ۱ ص ۲۶۸

کے جہازوں اور کشتیوں کی نگرانی و حفاظت کیا کرتے تھے، تاکہ سمندری لٹیروں اور خاص کر ہندوستان کے مید سے ان کو محفوظ رکھیں، ان کا پیشہ یہی تھا، لسان العرب میں ہے:

والبیاسرة قوم بالسند وقیل	بیاسرہ سندھ کی ایک قوم ہے، یہ بھی کہا گیا
جیل من السند یؤاجرون انفسهم	ہے کہ یہ سندھ کا ایک طبقہ ہے جو جہازوں کے
من اھل السفن لحرب عدوهم	مالکوں کے پاس اجرت پر رہتا تھا تاکہ انکے
ورجل بیسری [۱]	بحری دشمنوں سے جنگ کرے، اس کا واحد بیسری ہے،

بیاسرہ کی تحقیق

جاحظ نے بھی ایک مقام پر بیاسرہ کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کو سندھ اور ہند کا باشندہ اور ان کا وہی پیشہ بتایا ہے:

البیسری جیل من الھند	بیسری سندھ اور ہندوستان کا ایک گروہ
والسند تستاجرھم النواخذ	ہے جن کو ناخدا دشمنوں سے لڑنے کے لیے
لمحاربة العدو۔	اجرت پر رکھا کرتے تھے،

پھر نہایت تفصیل سے بیاسرہ کے متعلق لکھا ہے کہ ہم نے بیسری لوگوں کو دیکھا ہے، بیسری وہ ہے جو سفید نسل یعنی عربی مرد اور ہندی نسل یعنی ہندی عورت سے پیدا ہوتا ہے، ایسا آدمی اپنے والدین کی جسامت و قوت کے مطابق نہیں ہوتا، بلکہ ان سے زیادہ حسین و جمیل ہوتا ہے، عرب ایسے پانی کو بھی بیسر کہتے ہیں جس میں کھاری پن آجائے، سفید مرد اور ہندوستانی عورت کے اختلاط سے پیدا ہونے والے کو بیسری کہا جاتا ہے، سفید مرغ اور ہندی مرغی کے اختلاط سے جو مرغی پیدا ہوتی ہے وہ بھی بیسری کہلاتی ہے۔

اصل میں بسر کے لغوی معنی مخلوط کرنے اور ملانے کے ہیں، لسان العرب میں ہے:

وبسر التمر یبسُرُہ بسرا، وبسّرہ	بَسَرَ اور بَسَّرَ کے معنی ادھ پکی کھجور کو پکی کھجور
اذا نبذ فخلط البُسر بالتمر [۲]	کے ساتھ ملانے کے ہیں۔

---

[۱] لسان العرب ج ۴ ص ۵۸ [۲] ایضاً ج ۴ ص ۵۸

نیز بسار گرمی کے زمانہ کی وہ موسلادھار بارش ہے جو سندھ کے بیاسرہ کے یہاں ہوتی تھی، اور ایک گھڑی کے لیے بھی نہیں تھمتی تھی۔ لسان العرب ہی میں ہے :-

والبسار مطر يدوم على أهل السند في الصيف، ولا يقلع عنهم ساعةً فتلك أيام البسار، وفي المحكم البسار مطر يوم في الصيف يدوم على البياسرة ولا يقلع [1]	بسار وہ بارش ہے جو سندھ کے باشندوں کے یہاں گرمی کے زمانہ میں لگاتار ہوتی ہے اور ایک گھڑی کے لیے بھی بند نہیں ہوتی، ایسے زمانہ کو ایام بسار کہتے ہیں، المحکم میں ہے کہ بسار گرمی کے زمانہ میں ایک دن کی بارش ہے جو بیاسرہ کے یہاں لگاتار ہوتی رہتی ہے اور ذرا بھی بند نہیں ہوتی۔

سواحل ہند کے دس ہزار بیاسرہ

ایک خیال یہ بھی ہے کہ بیسر ہندوستانی لفظ ہے، جو یہاں کے دو الفاظ سے مرکب ہے، ایک "بے" جس کے معنی گجرات کی زبان میں دو کے ہیں، اور دوسرا "سر" جس کے معنی ذات اور شخص کے ہیں، اس لیے بیسر کے معنی وہ شخص ہے جو دو نسل سے تعلق رکھتا ہو، یعنی جس کا باپ عربی اور ماں ہندی ہو۔ میں نے رجال السند والہند میں یزید بن عبداللہ قریشی بیسریؒ کے ذکر میں اسی توجیہہ کو اختیار کیا ہے، مشہور مورخ و سیاح مسعودی جس نے سنہ ۳۰۳ھ میں تھانہ، بھڑوچ سوپارہ اور جیمور (بمبئی) وغیرہ کا سفر کیا تھا، جیمور میں دس ہزار کے قریب بیاسرہ کے آباد ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ لفظ بیاسرہ اور بیسر کی یہ تحقیق کرتے ہیں:

ومعنى قولنا البياسرة يراد به من ولد من المسلمين بأرض الهند يدعون بهذا اللقب	بیاسرہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو سرزمین ہند میں پیدا ہوئے ہوں، ایسے لوگوں کو اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے

---

[1] لسان العرب ج ۴ ص ۵۸

واحدھم بیسر وجمعھم بیاسرۃ[1]	واحد بیسر اور جمع بیاسرہ ہے۔

بیاسرہ کے عرب میں قدیم زمانہ سے آباد ہونے یا عہدِ رسالت میں پائے جانے کی تاریخی شہادت مجھکو نہیں مل سکی، خیال ہے کہ یہ قوم ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور یہاں مقیم ہونے کے بعد باہمی میل جول اور رشتۂ مناکحت سے پیدا ہوئی ہے، اس لیے اس قوم کی پیدائش ہندوستان ہی میں ہوئی ہے، اور ہندوستان کے ساحلی مسلمانوں کی بڑی تعداد ان ہی بیاسرہ کی اولاد سے ہے، یہ ضرور ہے کہ ان کا تعلق بھی عرب اور دیگر اسلامی ممالک سے رہا ہے اور یہ لوگ بعد میں یہاں سے باہر بھی جاکر آباد ہوئے،

بعض بیسری علماء

بعد میں بیاسرہ میں بھی علماء و محدثین پیدا ہوئے، چنانچہ ابن ابی حاتم رازی نے کتاب الجرح والتعدیل میں ایک محدث یزید بن عبداللہ قرشی بیسری کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ انھوں نے عمر بن محمد عمریؒ سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے علی بن ابی ہاشم طراخ نے روایت کی ہے۔[2]

تکاکرہ (ٹھاکر)

تکاکرہ، تکری یا تاکُر (ٹھاکر) کی جمع ہے، یہ قوم خالص ہندوستانی ہے، جن کی بہادری اور جوانمردی عربوں میں بھی مسلم تھی، لسان العرب میں ہے:۔

التکُری، القائد من قواد السند	تکری سندھ کے جنگی افسروں میں سے ایک کو کہتے ہیں
والجمع تکاکرۃ، الحقوا الھاء	اس کی جمع تکاکرہ ہے، اور آخر میں ہا، کو
للعجمۃ ...... وفی التھذیب	عجمیت کی وجہ سے لگا دیا گیا ہے اور تہذیب
الجمع تکاکرۃ[3]	میں ہے کہ اس کی جمع تکاکرہ ہے۔

محمد بن قاسم سے ٹھاکروں کی جنگ

ہندوستان کے ان ٹھاکروں کا تذکرہ اسلامی تاریخوں میں محمد بن قاسمؒ کے سندھ پر حملے اور یہاں راجہ سے جنگ کے سلسلے میں ملتا ہے، اس سے پہلے مجھے اس قوم کا تذکرہ نہیں مل سکا،

---

[1] مروج الذہب بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۶۸ [2] رجال السند والہند ص ۲۶۰ [3] لسان العرب ج ۲ ص ۹۲

فتوح البلدان میں ہے کہ جب محمد بن قاسمؒ نے مہران (دریائے سندھ) کو عبور کر کے کچھ کے راجہ راسل اور راجہ داہر کا تعاقب کیا تو راجہ اپنے ٹھاکروں کو لے کر مقابلہ میں آیا، اور انھوں نے جان توڑ جنگ کی:

ولقیہ محمد والمسلمون	راجہ سے محمد بن قاسم اور مسلمان اس حال
وھو علی فیل وحولہ الفیلۃ	میں ملے کہ وہ ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے ارد
ومعہ التکاکرۃ فاقتتلوا	گرد ہاتھیوں کے جھنڈ تھے اور اس کے ساتھ
قتالاً شدیداً لم یسمع	ٹھاکر بھی تھے، انھوں نے ایسی جنگ کی کہ اس
بمثلہ[1]	کی مثال سننے میں نہیں آئی۔

عربی شاعری میں تکاکرہ کا ذکر

غالباً ان ہی ایام کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک عرب شاعر نے ان ٹھاکروں کے مقابلہ میں اپنی بہادری کا یوں ذکر کیا ہے:

لقد علمت تکاترۃ ابن تیری غداۃ البُدّ انی ھبرزی

ابن تیری کے ٹھاکروں نے بت خانہ کے واقعہ کی صبح کو سمجھ لیا کہ میں شیر ہوں۔

تہذیب میں اس شعر میں تکاترہ کے بجائے تکاکرہ ہے۔ لقد علمت تکاکرۃ[2] بیاسرہ کی طرح تکاکرہ کا ذکر بھی قدیم عرب میں نہیں مل سکا، اس لیے خیال ہے کہ یہ بھی عہد رسالت میں عرب میں موجود نہیں تھے، بیاسرہ اور تکاکرہ کو میں نے صرف استیعاب کے لیے لیا ہے، ورنہ ان دونوں کا تعلق اس مخصوص اور محدود موضوع سے نہیں ہے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۶ [2] لسان العرب ج ۲ ص ۹۲

عرب میں ہندوستانیوں کی بستیاں

ہندوستان کے شمال و مغرب کے ساحلی مقامات، اور عرب کے شمال و مشرق کے ساحلی مقامات ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں، درمیان میں بحر ہند (جسے بحر عرب اور بحر فارس بھی کہتے ہیں) حائل ہے، اسی سمندر کے ذریعہ دونوں ممالک میں تاریخ کے قدیم دور سے تعلقات چلے آرہے ہیں، اور دونوں کے ساحلی علاقے ایک ملک کے دو علاقے کی حیثیت سے رہے ہیں، عرب و سندھ کے قدیم تعلقات ابتدا میں صرف تجارتی اور معاشی تھے، مگر بعد میں فکری، تمدنی، اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہوگئے، بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری اور ثقافتی تعلق نے اور زیادہ مضبوط کردیا۔

اس کے باوجود قدیم تاریخ میں ہندوستان کے کسی ساحلی یا غیر ساحلی مقام پر عربوں کی آبادی کا پتہ نہیں چلتا جو یہاں آکر مستقل طور سے آباد ہوگئے ہوں، حالانکہ عرب کے مقابلہ میں ہندوستان ہر اعتبار سے ترقی یافتہ ملک تھا اور عربی زندگی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی میں رنگینی اور دلفریبی زیادہ تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر ہندوستان آتے اور تجارتی مقصد پورا کرکے واپس چلے جاتے تھے، اور اپنی آزاد عربی زندگی پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے، عربی زندگی ان کے لیے بہت ہی دلفریب اور خوشگوار تھی، ہندوستان میں سب کچھ ہوتے ہونے کے باوجود ان کو یہاں وہ کھلی ہوا اور آزاد فضا میسر نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہمیں کسی قدیم عرب آبادی کا پتہ نہیں چلتا ہے، اور نہ یہاں پر عربوں کے بہت زیادہ

دنوں تک ٹھہرنے کا ثبوت ملتا ہے، اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے ایسے باشندے عرب میں کثرت سے ملتے ہیں جو وہاں جاکر مستقل طور پر رہ بس گئے اور ہندوستان کی قومیت و وطنیت چھوڑ کر عرب کے باشندے ہو گئے اور ان کو عربوں نے عربی زندگی میں اس طرح ضم کر لیا کہ وہ بالکل عرب بنکر رہ گئے، ہندوستانیوں کے ساتھ عربوں کے اس حسن سلوک اور رواداری کی وجہ انکی فطری وسعت قلب اور مہمان نوازی تھی جو دور جاہلیت میں بھی انکی امتیازی صفت تھی، اس کے ساتھ ہی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عربوں کو گھر بیٹھے ان ہندوستانیوں کے ذریعہ ضروریات زندگی کی چیزیں مل جاتی تھیں اور ان کو ان کے لیے ہندوستان کا بحری سفر نہیں کرنا پڑتا تھا، ابتدا میں بہت سے ایسے ہندوستانی باشندے عرب میں جاکر آباد ہو گئے جو تاجر تھے اور عربوں کی ضرورت کا سامان ان کے میلوں اور بازاروں میں لے جاکر فروخت کرتے تھے، ان تاجروں کو عرب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور نہ صرف یہ کہ ان کو لوٹتے مارتے نہیں تھے، بلکہ ان کی حفاظت کر کے حق جوار کا پورا لحاظ کرتے تھے، چنانچہ عرب کے کئی بڑے قبائل نے ایسے ہندوستانی باشندوں کو اپنی "ولاء" میں لے لیا تھا، اور ان کو وہ اپنے قبیلہ کا فرد شمار کرتے تھے، پھر چونکہ ہندوستان کے لوگ بت پرستی میں جاہلی عرب کے تقریباً ہم مشرب تھے، اس لیے اور بھی دونوں ملکوں میں تعلقات استوار ہوئے، چنانچہ عرب کے یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرک، مجوسی صابئہ وغیرہ ہندوستانیوں کو اپنا ہم مشرب گردانتے تھے، اور بت پرستی اور دوسرے عقائد و اعمال میں بڑی حد تک ہم رنگ تھے، اس لیے آپس میں مذہبی اختلاف بھی نہیں تھا، اسی طرح بہت سے عادات و خصائل اور رسوم و رواج میں عرب اور ہندوستانی تقریباً متفق و متحد تھے، اس لیے ہندوستان کے باشندے عرب میں بڑی آسانی سے کھپ گئے۔

مشرقی و جنوبی سواحل میں

عربوں اور ہندوستانیوں کے تعلقات کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ایران کے بادشاہ بلوچستان، سندھ اور سرندیپ وغیرہ پر قابض تھے، اور ان علاقوں کے ہندوستانی باشندے جاٹ، اور مید وغیرہ ایرانی فوج میں شامل ہو کر عرب کے ایرانی مقبوضات میں آباد ہو گئے تھے، اس طرح عراق

کے اہم ایرانی مقبوضہ ابلہ (بصرہ) سے لیکر یمن تک ایرانی فوجوں کی طرح یہ بھی پھیلے ہوئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل پر ہندوستانی باشندوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی، اور وہاں کی ملکی اور قومی زندگی میں ان سے شدید خطرات محسوس ہونے لگے تھے، چنانچہ یمن پر جب حبشیوں نے قبضہ کیا تو وہاں ہندوستان کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب یمن کے سابق عرب حکمراں سیف بن ذی یزن نے ایران کے بادشاہ کسریٰ انوشیرواں کے دربار میں پہنچکر اپنا حال بیان کیا اور اجنبی لوگوں کے غلبہ کا واقعہ سنایا تو کسریٰ انوشیرواں نے سیف بن ذی یزن سے پوچھا کہ تمہارے ملک پر کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے؟ وہ حبشی ہیں یا سندھی۔

فقال ایھا الملک غلبتنا علیٰ	سیف نے کہا اے بادشاہ! ہمارے
بلادنا الاغربۃ، فقال لہ	ملک پر اجنبی لوگ غالب آگئے ہیں، کسریٰ
کسریٰ ایُّ الاغربۃ الحبشۃ	نے پوچھا کون اجنبی حبشی یا سندی؟ تو
ام السند، فقال بل الحبشۃ[1]	یوسف نے کہا سندی نہیں بلکہ حبشی غالب آگئے ہیں،

تاریخ طبری کی ایک روایت میں ہے:

قال ایھا الملک ان السودان	سیف نے کہا اے بادشاہ! کالے لوگوں
قد غلبونا علیٰ بلادنا ورکبوا	نے ہمارے ملک پر غالب آکر ہمارے ساتھ
منا اموراً شنعۃ، اجل الملک	نہایت برا برتاؤ کیا ہے جن کا تذکرہ بادشاہ
عن ذکرھا الخ (ص ۱۱۷)	کے سامنے مناسب نہیں ہے۔
قال قد علمت ان بلادکم کما	یہ سن کر کسریٰ نے کہا ہاں تمہارا ملک بہت ہی

---

[1] سیرت ابن ہشام طبع جدید مصطفیٰ محمد مصر ج ۱ ص ۶۴ و کتاب التیجان کلبی طبع حیدرآباد ص ۳۰۲-۳۰۴ و تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۶ مطبع حسینیہ مصر،

وصفت فاتی السود ان غلبوا علیھا الحبشۃ ام السند[1] — زرخیز اور اچھا ہے، تباؤ کن کالے لوگوں نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا ہے؟ حبشی یا سندھی؟

اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد عرب کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں کس قدر ہندوستانی موجود تھے، اور ان کو کتنی شوکت و قوت حاصل تھی، یہ واقعہ آپ کی ولادت کے بعد کا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال بعد کا ہے، ولادت نبوی کے بعد ۵۷۵ء میں یمن پر ایران کا قبضہ ہوا[2]، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۱ء میں ہوئی ہے، یمن پر مسروق بن ابرہہ نے چڑھائی کی تھی، جس کے باپ ابرہہ نے اپنے دور حکومت میں کعبہ پر فوج کشی کی تھی، اور اس واقعہ کے ۵۵ دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے[3]، سیف بن ذی یزن کی فریاد پر کسریٰ انوشیرواں نے یمن پر اپنی فوج بھیجکر قبضہ کیا اور عراق سے لیکر یمن تک کا علاقہ اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔

یمن میں جیسا کہ معلوم ہوا یمن اور اس کے اطراف میں پہلے ہی سے سندھیوں کی بڑی جمعیت موجود تھی، اور ان کو قوت و شوکت حاصل تھی، انوشیرواں کے یمن پر قبضہ کے بعد عرب میں ہندوستانیوں کی اور بھی کثرت ہوگئی اور اساورہ (شہسواران ایران) میں شامل ہونے کی وجہ سے انھوں نے وہاں کے ملکی اور سیاسی معاملات میں حصہ بھی لیا۔

امام ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں یمن کے آخری ایرانی حکمراں کا نام جو حیات نبوی ہی میں مسلمان ہوگئے تھے، باذان ملک الہند لکھا ہے[4]، مگر حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں اس کی تضعیف کی ہے، اور اس کی جگہ ملک الیمن کو صحیح قرار دیا ہے[5]، اس پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی، اسی طرح یمن میں کسریٰ کے زمانہ سے ایک ہندوستانی بزرگ بیرزطن

---

[1] تاریخ طبری طبع حسینیہ مصر ج ۲ ص ۱۱۸ [2] تاریخ العرب حتی طبع مصر ص ۴۶ [3] رحمۃ للعالمین ج ۱ حاشیہ

[4] تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۴۵ طبع حیدرآباد [5] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۱ ص ۱۷۹

ہندی موجود تھے، جو عہد رسالت میں مسلمان ہوئے تھے، انھوں نے یمن کے اطراف میں حشیش (القنب دبھنگ) کو بطور دوا متعارف کرایا تھا اور علاج و معالجہ میں اس کو رواج دیا تھا[1]، غالباً یہ طبیب تھے۔ ان کے حالات اپنے مقام پر آئیں گے،

یمن قدیم زمانہ سے ہندوستانی مال کی بہت بڑی منڈی تھا اور یہاں ہندوستان کے تاجر ہمیشہ آتے جاتے رہتے تھے، فجر الاسلام کے مصنف نے لکھا ہے:-

وکان لسکان الیمن قدیما	قدیم زمانہ سے یمن کے باشندوں کے تعلقات
علاقات بالھند والشرق	ہندوستان اور مشرق ادنیٰ سے قائم
الادنی[2]	تھے۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے:-

وکانت التجارۃ قدیما	قدیم زمانہ سے تجارت اہل یمن کے
فی ید الیمنیین وکانوا ھم العنصر	ہاتھ میں تھی اور اس میں یہی لوگ غالب
الظاھر فیھا فعلی یدھم کانت	نظر آتے تھے، ان ہی کے ہاتھوں حضرموت
تنقل غلات حضرموت وظفار وواردات	ظفار کی پیداوار اور ہندوستان
الھند الی الشام و مصر[3]	کی اشیاء شام اور مصر جاتی تھیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یمن کا پورا علاقہ ہندوستان کے تاجروں سے آباد تھا، اور ان کی بڑی تعداد وہاں تجارت میں مشغول تھی۔

عراق میں جس طرح یمن کے حدود میں ہندوستانیوں کی کثرت تھی، اسی طرح عرب کے شمال مشرق اور عراق میں قدیم زمانہ سے ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ رہتے تھے، عراق کا مرکزی شہر ابلہ چین، ہندوستان اور ایران وغیرہ کے تجارتی جہازوں کی بہت بڑی بندرگاہ تھا، اور اسے ہندوستان سے بہت پرانا اور بہت

---

[1] الاصابہ ج ۱ ص ۱۶۸ [2] فجر الاسلام ج ۱ ص ۱۳ [3] " ص "

گہرا تعلق تھا، جس کی وجہ سے عرب اسے ارض الہند اور فرج السند والہند کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے، شاہان ایران ابلہ پر قبضہ کر کے ایک طرف خشکی کے راستہ سے عرب پر حملہ آور ہوتے تھے اور دوسری طرف بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرتے تھے، تاریخ طبری واقعات ۱۲ھ میں ہے:

وکان فرج الھند اعظم	اور فرج الہند (ابلہ) ایرانیوں کے
فروج فارس شانا واشدھا	بڑے اہم مرکزوں میں تھا، یہاں ان کو بڑی
شوکۃ وکان صاحبہ	شان وشوکت حاصل تھی، یہاں کا حاکم
یحارب العرب فی البر	خشکی میں عرب سے اور سمندر میں ہندوستان
والھند فی البحر[1]	سے جنگ کیا کرتا تھا،

ظاہر ہے کہ ان بری اور بحری حملوں میں ہندوستان کے وہ جاٹ اور میدمزور شامل ہوتے ہوں گے جو شاہان ایران کی فوج میں قدیم زمانہ سے موجود تھے، خاص طور سے ہندوستان پر حملہ کی صورت میں ان کو اپنی خدمات پیش کرنے کا بہترین موقع ملتا رہا ہوگا۔

عراق سے ہندوستان پر ایرانیوں کے بحری حملہ کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت تک جاری رہا، چنانچہ کسریٰ انوشیرواں نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ہندوستان پر بڑا زبردست حملہ کیا، اور سرندیپ کو تہ وبالا کر کے یہاں سے بے شمار دولت حاصل کی، امام طبریؒ نے اس حملہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے:

فلما دانت لکسریٰ بلاد الیمن	جب بلاد یمن کسریٰ کے مطیع ہوگئے تو
وجہ الی سرندیب من بلاد	اس نے ہندوستان کے شہر سرندیپ پر
الھند، وھی ارض الجواھر	(جو جواہرات کا ملک ہے) اپنے ایک فوجی

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۵ ونیز کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۴

قائداً من قواده فی جند کثیف	افسر کو بھاری لشکر کے ساتھ بھیجا جس نے
فقاتل ملکھا فقتلہ واستولی	راجہ کو قتل کرکے ملک پر قبضہ کرلیا اور وہاں
علیھا، وحمل الی کسریٰ منھا	سے کسریٰ کی خدمت میں زر وجواہر اور مال و
اموالاً عظیمۃ وجواھر کثیرا[1]	دولت بھاری تعداد میں بھیجا۔

ہندوستان کے جاٹ اور میدا یرانیوں کی ان مہمات میں اپنی خدمات پیش کرتے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"عربوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کا ایک اور ذریعہ بھی تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ شہنشاہ ایران کا قبضہ بلوچستان اور سندھ پر اکثر رہا، اس قبضہ کے تعلق سے بعض جنگجو قبیلوں کے فوجی دستے ایرانی فوج میں داخل تھے، ان جنگجو قبیلوں میں سے دو کا ذکر عربوں نے کیا ہے اور وہ جاٹ اور مید ہیں، یہ دونوں سندھ کی مشہور قومیں تھیں[2]"

ابلہ کے علاوہ بھی عراق میں ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد رہتی، اور قدیم زمانہ سے اس کو اپنا وطن بنا چکی تھی، اس کا ثبوت بلاذریؒ کے اس بیان سے ملتا ہے:

فانضم الی الاساورۃ	سیابجہ ان اساورہ کے ساتھ مل گئے جو
السیابجۃ وکانوا قبل	اسلام سے پہلے سواحل میں موجود تھے،
الاسلام بالسواحل وکذالک	اسی طرح جاٹ بھی عراق کے سواحل میں
الزط، وکانوا بالطفوف	تھے اور یہ سب چارے کی تلاش میں کناروں
یتبعون الکلاء[3]	کا چکر لگاتے رہتے تھے۔

عہد فاروقی کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایرانی فوج نے پیشکش کی کہ ہم مسلمان ہوکر بصرہ میں آباد ہونا چاہتے ہیں اور اسلامی جہاد میں مسلمانوں کی مدد

---

[1] تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۴، اور تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۷۰، طبع مصر۔ [2] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۱
[3] فتوح البلدان ص ۳۷۲، طبع ازہریہ مصر۔

کرنا چاہتے ہیں،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیابجہ اور جاٹ عراق کے سواحل اور طفوف میں رہا کرتے تھے، جو عام طور سے مویشی پالتے تھے، اور چارے کی تلاش میں سواحل کا چکر لگاتے رہتے تھے، اور عرب کی بدوی زندگی اختیار کرکے ان اطراف میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے، یہ ہندوستانی ان ہندوستانیوں کے علاوہ تھے، جو ایرانیوں کی فوج میں شامل تھے، یہ لوگ خلیج عربی کے پورے عرب سواحل میں پھیلے ہوئے تھے، جس میں عمان، مسقط، قطیف بحرین، قطر، کویت اور بصرہ سب ہی شامل تھے،

بحرین اور عمان میں

خلیج عربی کے سواحل اور طفوف میں ہندوستانیوں کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں ان کے دونوں سرے ان سے اس قدر آباد تھے کہ ایک طرف عرب لوگ ابلہ (بصرہ) کو ارض الہند اور فرج الہند کے نام سے یاد کرتے تھے اور دوسری طرف عمان اور بحرین کے عرب باشندے ہندوستانیوں کی زبان و تہذیب اور حالات سے اس قدر باخبر اور متاثر تھے کہ عام عربوں کو ہندوستانیوں کے حالات ان قبائل کے ذریعہ معلوم ہوتے تھے، اور ہندوستانیوں کے میل جول سے ان عرب قبیلوں کی زبان اتنی بگڑ گئی تھی کہ عربیت میں اس کا درجہ اس قدر گر گیا تھا کہ فصاحت و بلاغت اور استعمال و محاورہ میں سند نہیں مانی جاتی تھی،

ہندوستانیوں کا عربی زبان اور زندگی پر اثر

چنانچہ مشہور عرب مورخ ہمدانی صاحب الاکلیل کا یہ قول علامہ قاضی ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں نقل کیا ہے،

ومن وقع من نصر من الازد بعمان	اور قبیلہ نصر کا قبیلہ ازد جو عمان میں تھا
فعنہ اتی کثیر من اخبار السند	اس سے سندھ اور ہندوستان کی بہت

---

۱ کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱، طبقات ابن سعد ج ۱، ق ۱ ص ۲ تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۸

والہند، وشئ من اخبار فارس[1] سی خبریں اور کچھ ایران کی خبریں معلوم ہوئیں۔

صاحب تاریخ آداب العرب نے "الرحلۃ الی البادیۃ" کے ماتحت لکھا ہے کہ عربی زبان لغت کو زیادہ تر اعراب اور بدویوں خاص طور سے قیس اور تمیم سے لیا گیا ہے، مگر جن اعراب اور اہل بوادی کی زبان عجمیوں کے اختلاط کی وجہ سے خالص عربی نہیں رہ گئی، ان سے استناد و استشہاد نہیں کیا گیا،

وخاصۃ الذین کانوا یسکنون	خاص طور سے وہ عرب جو ایسے علاقوں میں تھے
اطراف بلادھم المجاورۃ	جو پڑوس کی قوموں سے ملے ہوئے تھے،
لمن حولھم من الأمم فانہ	اسی لیے لخم اور جذام سے عربی زبان نہیں
لا یوخذ لا من لخم ولا من	لی گئی کیونکہ وہ مصر اور قبط کے پڑوسی
جذام لمجاورتھم اھل	تھے، اور نہ عبدالقیس اور ازد عمان
مصر والقبط ...... ولا من	سے لی گئی کیونکہ یہ لوگ بحرین میں تھے
عبد القیس وازد عمان لانھم	اور ہندوستانیوں اور ایرانیوں سے
کانوا بالبحرین مخالطین	ان کا اختلاط تھا، یہی حال اہل یمن کا ہے،
للھند والفرس ولا من اھل الیمن	وہ بھی ہندوستانیوں اور حبشیوں سے میل
لمخالطتھم للھند والحبشۃ[2]	جول رکھتے تھے،

بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کو ہندوستان کے باشندوں سے خاص تعلق تھا اور اسے کبھی کبھی ہندوستان کے لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا، ایک تغلبی شاعر اخنس ابن شہاب اپنے قبیلہ لکیز بن عبدالقیس کی مدح میں لکھتا ہے:

لکیز لھا البحران والسیف کلہ ٭ وان یأتھا باس من الھند کارب[3]

---

[1] طبقات الامم ص ۵۹ طبع مصر، [2] تاریخ آداب العرب ج ۱ ص ۳۴۳، [3] صفۃ جزیرۃ العرب ہمدانی ج ۱ ص ۱۴۵ بحوالہ عربوں کی جہازرانی ص ۳۰۔

فتنۂ ارتداد اور ہندوستانی باشندے

بحرین اور عمان اور ان کے ساحلی مقامات میں ہندوستانیوں کے کثیر تعداد میں آباد ہونے کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب ان اطراف میں ارتداد کا طوفان اٹھا اور مختلف قبائل نے اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو اس شورش میں ان علاقوں میں آباد ہندوستانیوں کو بھی جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے شریک کیا گیا، خاص طور سے قطیف، ہجر، خط، دارین، جو اثنا وغیرہ میں آباد جاٹ اور سیابجہ کو قبیلہ بنی عبد القیس کا ساتھ دینا پڑا۔

امام طبری نے سالہ کے واقعات میں اہل بحرین کے ارتداد کے ذکر میں لکھا ہے:

فلما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا
خرج الحطم بن ضبیعۃ أخو	تو حطم بن ضبیعہ بکر بن وائل کے مرتدوں
بنی قیس بن ثعلبۃ فیمن اتبعہ	اور دوسرے قبائل کے ان غیر مرتد
من بکر بن وائل علی الردۃ، ومن	کافروں کو جو اب تک اپنے مذہب
تأشب الیہ من غیر المرتدین	پر قائم تھے ساتھ لے کر نکلا، اور قطیف
ممن لم یزل کافراحتی نزل	و ہجر میں پہنچا اور خط کے پورے علاقے کو
القطیف، وہجر، واستغوی الخط	اور وہاں پر آباد جاٹ اور سیابجہ کو گمراہ
ومن فیہا من الزط والسیابجۃ	کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور دارین کی
وبعث الی دارین[1]	طرف بھی فوج بھیجی۔

ان مرتدوں اور باغیوں نے جاٹوں اور سیابجہ کو لے کر ان اطراف میں بڑی شورش برپا کی اور مسلمانوں کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے ان کی معاشی اور غذائی ناکہ بندی کر دی، حضرت علاء بن حضرمیؓ کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت جارودؓ کو بنو عبد القیس اور حطم کی سرکوبی

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۵ و ۲۵۶ اور کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۱۔

کے لیے روانہ کیا اور ایک سخت معرکہ آرائی کے بعد کامیاب ہوئے، اور حطم کی فوج کا ایک بڑا حصہ شکست کھا کر دارین کی طرف بھاگ نکلا، پھر وہاں سے بحری راستوں سے یہ سب اپنے اپنے ملک اور وطن کی طرف بھاگ گئے۔ ابن اثیر کا بیان ہے:

وقصد اعظم الفلال الی دارین	شکست خوردہ فوج کا بڑا حصہ کشتیوں کے
فرکبوا الیہا السفن ولحق	ذریعہ دارین کی طرف گیا اور باقی ہزیمت
الباقون ببلاد قومہم[1]	خوردہ اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔

طبری کے الفاظ یہ ہیں:

وقصد العظم الفلال لدارین	ہزیمت خوردہ فوج کے بڑے حصہ نے دارین کا
فرکبوا فیہا السفن ورجع الآخرون	رخ کیا اور وہاں سے کشتیوں میں سوار ہو کر اپنی
الی بلاد قومہم[2]	راہ لی اور دوسرے سپاہی اپنے اپنے وطن چلے گئے،

ان دونوں مورخوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں اور مرتدوں کی شکست خوردہ فوج بھاری تعداد میں بھاگ کر دارین کی بندرگاہ پر آئی اور یہاں سے بری اور بحری راستوں سے اپنے ملک کی طرف بھاگی، ظاہر ہے کہ اس میں ہندوستان کے جو جاٹ اور سیابجہ شریک تھے وہ بھاگ کر ہندوستان آئے ہوں گے،

قلب عرب میں | خلیج عرب کے ساحلی مقامات کے علاوہ ہندوستان کے لوگ جزیرہ نمائے عرب کے اندرونی مقامات میں بھی بستے تھے اور ان کی مستقل آبادیاں تھیں، چنانچہ عرب کے وسطی علاقہ نجد میں ہندوستانیوں کا پتہ چلتا ہے جو مدتوں سے وہاں آباد تھے، اور عہد رسالت کے بعد تک اپنے مذہب پر قائم رہے، اور ردت کے زمانہ میں کفار و مشرکین اور مرتدین کی یوں مدد کی کہ ان کو ہندوستان کے بنے ہوئے اسلحۂ جنگ دیئے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں استعمال کیے گئے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عربوں نے یہ

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۲ [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۹

ہندوستانی اسلحہ ان سے خریدے ہوں یا ہندوستان سے لے گئے ہوں، مگر غالب گمان یہی کہ انھوں نے عربوں کی مدد کے لیے خود ہی یہ پیش کش کی تھی۔

یمامہ میں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب نجد کے علاقہ میں مسیلمہ کذاب نے کھل کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مسیلمہ کذاب اور اس کی فوج سے لڑنے کے لیے روانہ فرمایا، جب وہ یمامہ کے قریب پہنچے تو مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، اور مجاعہ بن مرارہ بن سلمی کے علاوہ سب قتل ہوئے، حضرت خالدؓ نے مجاعہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لیا اور یمامہ سے ایک میل دوری پر پڑاؤ ڈالا، جب یمامہ والوں کو خبر ہوئی تو مقابلہ کی نیت سے باہر نکلے، اس وقت ان کے ہاتھوں میں تلواریں چمک رہی تھیں، ان کو دیکھ کر حضرت خالدؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ آپس ہی میں لڑ گئے ہیں، جب مسلمان فوجیوں سے اس کا تذکرہ کیا تو مجاعہ نے بتایا کہ ایسا نہیں ہے الخ۔ بلکہ یمامہ کے لوگ جنگ کی تیاری میں اپنی ہندی تلواریں صاف کر رہے ہیں اور ان کو دھوپ دکھا رہے ہیں۔ بلاذری نے لکھا ہے:

فرأی خالد البارقة فیهم	حضرت خالدؓ نے ان کے اندر تلواروں کی
فقال یا معشر المسلمین قد	چمک دیکھی تو فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ نے
کفاکم الله مؤنة عدوکم، الا ترونهم	تم کو دشمن کی مصیبت سے نجات دیدی،
وقد شهر بعضهم السیوف علی	وہ دیکھو دشمن آپس ہی میں ایک دوسرے
بعض واحسبهم قد اختلفوا	پر تلواریں کھینچے ہوئے ہیں، میرا خیال ہے
ووقع بأسهم بینهم، فقال مجاعة	کہ ان میں اختلاف ہو گیا ہے اور وہ آپس
وهو فی حدیدة، کلا ولکنها الهندیة	میں لڑ پڑے ہیں، یہ سن کر مجاعہ نے کہا
خشوا تحطمها فأبرزوها	یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ ہندوستانی تلواریں ہیں جنکو
للشمس لتلین متونها۔[1]	انھوں نے دھوپ میں رکھکر صاف کرنا چاہا ہے

---

[1] فتوح البلدان ص ۹۸ طبع مطبعہ مصر ازہریہ

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یمامہ اور اس پاس میں آباد ہندوستانیوں نے مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین کو ہندوستان کی بنی ہوئی بہترین تلواریں دی تھیں، جو عرب میں قدیم زمانہ سے مشہور تھیں؛

نجران میں یمن کے مشہور شہر نجران میں بھی عہد رسالت میں بکثرت ہندوستانی آباد تھے، اور نجران کے عرب ان کی زندگی اور لباس وغیرہ سے بڑی حد تک متاثر تھے اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جملہ سے ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰ھ نبوت میں آپ نے حضرت خالدؓ کو نجران کے قبیلہ بنی حارث بن بن کعب کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے روانہ فرمایا حضرت خالدؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے بلا تردد قبول کرلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ تم بنی حارث بن کعب کا ایک وفد لیکر مدینہ آجاؤ، چنانچہ وہ چھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔

فلما قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ	جب وفد کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
علیہ وسلم فرأھم قال من ھولاء القوم	پاس آئے اور آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ کون لوگ
کانھم رجال الھند قیل یا رسول اللہ	ہیں جو ہندوستان کے لوگوں جیسے ہیں، عرض کیا گیا
ھولاء رجال بنی الحارث بن کعبؓ	یا رسول اللہ یہ بنی حارث بن کعب کے آدمی ہیں،

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان کے لوگوں کی شکل وصورت سے اچھی طرح واقف تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجران اور اس کے اطراف میں ہندوستانیوں کی تعداد زیادہ تھی، اور مقامی لوگوں پر ان کا شبہ ہونے لگتا تھا یا وہ ہندوستانیوں سے میل جول کی وجہ سے لباس و ہیئت میں ان کے مشابہ معلوم ہوتے تھے،

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۳ : ۵۹۴ مطبع مصر و تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۷۔ تاریخ طبری میں القوم الذین کانھم اور ھؤلاء بنوا لحارث ہے۔

مکہ مکرمہ میں عرب کے مغربی علاقہ حجاز میں بھی ہندوستان کے باشندے موجود تھے، خاص طور سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے عرب باشندے ان سے اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ ابتدائے اسلام میں جب مکہ مکرمہ میں کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تو ابوطالب نے اس زمانہ میں سینکڑوں اشعار کا ایک قصیدہ کہا جس میں یقین دلایا کہ میں اپنے بھتیجے کی مدد و حفاظت سے باز نہیں آسکتا، اس قصیدہ کے ایک شعر میں ہندوستانی کا تذکرہ یوں کیا ہے:

بضرب تری الفتیان فیہ کأنہم ضواری أسود فوق لحم خرادل

(ایسی جنگ کہ اس میں نوجوان حملہ آور شیر معلوم ہوتے ہیں)

بنی امۃ محبوبۃ ھندکیۃ بنی جمح عبید قیس بن عاقل[۱]

(ہندوستانی دل پسند باندی کے بیٹوں کو مارتے ہیں یعنی بنی جمح کو جو قیس بن عاقل کے غلام ہیں)

عہد رسالت میں مکہ مکرمہ میں ہندوستانیوں اور جاٹوں کے رہنے کی ایک اور سند حدیث میں ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ جاٹوں سے اچھی طرح واقف تھے، اور انکی شکل و صورت اور لباس وہیئت کو خوب جانتے تھے، ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو لیکر مکہ کی طرف لے گئے، یہاں انھوں نے جنات دیکھے جو اپنی شکل وصورت اور ہیئت میں ہندوستان کے جاٹ معلوم ہوتے تھے، حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے۔

فبینا انا جالس فی خطی اذا اتانی	میں اپنے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے
رجال کانہم الزط اشعارھم	پاس کچھ لوگ آئے جو اپنے بال اور جسم میں
واجسامھم لا اری عورۃ	جاٹ معلوم ہوتے تھے، میں ان کا ستر
ولا اری قشرا (ترمذی باب الامثال)	اور کھال نہ دیکھ سکا،

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۹ مطبوعہ ۱۳۴۷ھ مصر

حضرت ابن مسعودؓ کی اس تمثیل و تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں رہ کر جاٹوں کی شکل و شباہت سے بخوبی واقف تھے،

مدینہ منورہ میں

مکہ مکرمہ کے بعد حجاز کا دوسرا مرکزی شہر مدینہ منورہ ہے، جہاں بحرین و عمان اور عراق و شام وغیرہ سے ہر قسم کا تجارتی کاروبار ہوتا تھا، عہد رسالت میں مدینہ منورہ میں ہندوستانیوں کے بارے میں کوئی واقعہ نہیں مل سکا، مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی جاٹ موجود تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے الادب المفرد کے باب "بیع الخادم من الاعراب" میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پروردہ حضرت عمریہ انصاریہؓ سے روایت کی ہے کہ:

ان عائشة رضی الله عنها	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی
دبرت امة لها، فاشتكت	ایک باندی کو مدبّر فرمایا، اس کے بعد آپ
عائشة، فسأل بنو أخيها	بیمار ہوگئیں تو آپ کے بھتیجوں نے اس سلسلے
طبيبا من الزط[1]	میں ایک جاٹ طبیب سے مراجعت کی،

یہ روایت امام ابو عبد اللہ حاکمؒ نے المستدرک میں بھی بیان کی ہے[2]۔ غالباً یہ واقعہ جیسا کہ ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں جاٹ رہتے تھے، جن میں سے بعض دوا علاج بھی کرتے تھے، اور اغلب یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے سے یہاں آباد تھے،

تبوک کے اطراف میں

عرب کے شمال و مغرب میں بھی ہندوستانیوں کا نشان ملتا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبوک کے آس پاس یہ لوگ رہتے تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کی طویل ملاقات کا ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہ

---

[1] الادب المفرد ص ۲۷ مطبعہ تازیہ مصر [2] فضل اللہ الصمد ج ۱ ص ۲۶۰

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قبیلہ بنی غفار کے اس غزوہ میں نہ شریک ہونے والوں کے بارے میں سوال کیا اور ابورہم نے جواب دیا:

فقال ما فعل النفر الحمر الطوال الثط، قال فحدثته بتخلفهم قال فما فعل السود الجعاد القصار الذین لھم نعم بشبکة شرخ[1] . الخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس سرخ جماعت کا معاملہ کیا رہا جنکے شکم بڑے ہیں، میں نے عرض کیا کہ وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے پھر آپ نے دریافت فرمایا" ان سیاہ رنگ گھونگھر بالوں والے پستہ قد لوگوں کا کیا حال ہے جن کے جانور مقام شبکہ شرخ میں ہیں۔

غالب گمان یہ ہے کہ اس حدیث میں " النفر الحمر الثط" سے مراد بنو غفار کے ہندوستانی غلام اور موالی ہیں اور " السود الجعاد القصار" سے مراد حبشی غلام اور موالی ہیں۔

یہ مختصر سا بیان ان ہندوستانیوں اور ان کی آبادیوں کا ہے جو عرب میں آباد تھے، اگر احادیث اور تواریخ و سیر کی کتابوں کا تفصیلی مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کیا جائے تو مزید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

---

[1] الادب المفرد امام بخاری ص ۱۱۲

عرب میں آباد ہندوستانیوں کو دعوتِ اسلام

ہم نے گذشتہ صفحات میں عرب و ہند کے تعلقات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قدیم زمانہ سے عرب میں ہندوستان کے لوگ آباد تھے، اور عہد رسالت میں جب اسلام کی دعوت عام ہوئی اور اطراف وجوانب میں پھیلی تو عربوں کی طرح غیر عربوں میں بھی اس کی تبلیغ ہوئی، اور ایرانیوں، رومیوں، حبشیوں کی طرح ہندوستانیوں کو بھی اس نعمت سے حصہ ملا، اور یمن، بحرین اور نجد وغیرہ میں رہنے والے ہندوستانی باشندوں نے بھی اسلام قبول کیا، گو اس کی تصریح و تفصیل کتب تواریخ وسیر اور احادیث میں نہیں ملتی ہے مگر جستہ جستہ واقعات اور اشارات سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے، ہندوستانیوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک نہیں کہا، بلکہ وہ یہود و نصاریٰ اور مجوس کی طرح اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا،

یہ موضوع بہت اہم اور دلچسپ ہے، مگر افسوس ہے کہ تلاش و جستجو کے باوجود اس پر بہت کم مواد مل سکا، بہرحال جو کچھ بھی ملا ہے اس پر اکتفا کیا جاتا ہے،

جاہلی عربوں اور ہندوؤں میں مذہبی ہم آہنگی اور ہندوؤں کی عربوں کے معبودوں سے عقیدت مندی

جاہلی عربوں اور ہندوستان میں تجارتی، معاشی اور اقتصادی تعلقات کے علاوہ مذہبی اور اعتقادی تعلقات بھی تھے، اور دونوں ملکوں میں اس اعتبار سے بھی ہم آہنگی تھی کہ اصنام پرستی، مظاہر پرستی، اور کواکب پرستی دونوں میں عام تھی

عرب کے ہندوستانی اسی اشتراک عقیدہ کی بنا پر عربوں میں بڑی آسانی سے کھپ جاتے تھے، جو ان ہی کی طرح کے عقائد وخیالات کے حامل تھے،

علامہ عبدالکریم شہرستانی نے کتاب الملل والنحل کے مقدمہ میں لکھا ہے :-

ان العرب والهند يتقاربان	عرب اور ہند دونوں کا مذہب قریب قریب
على مذهب واحد، واكثر	یکساں ہے، ان دونوں میں سے اکثر دل کا
ميلهم الى تقرير خواص الاشياء	رجحان اشیاء کے خواص کے ثبوت اور
والحكم بأحكام الماهيات	ماہیات وحقائق کے احکام پر چلنے اور
والحقائق واستعمال الامور الروحانية	روحانیات کے استعمال کرنے کی طرف ہے۔

اسی بات کو دوسری جلد میں "آراء العرب فی الجاہلیۃ" کے ماتحت لکھا ہے :

قد ذكرنا في صدر الكتاب	ہم نے کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے
ان العرب والهند يتقاربان	کہ عرب اور ہند دونوں کا مذہب قریب
على مذهب واحد واجملنا القول	قریب یکساں ہے اور وہاں اجمالاً بتایا ہے
فيه حيث كانت المقاربة	کہ دونوں قوموں کا مذہبی میل جول صرف اشیاء
بين الامتين مقصورة على	کے خواص اور ماہیات کے احکام کے
اعتبار خواص الاشياء والحكم	اعتبار وحکم ہے اور دونوں پر
باحكام الماهيات والغالب	فطرت وطبیعت کا غلبہ ہے۔
عليهم الفطرة والطبع [2]	

سبع ہیاکل ہندوعرب کے مشترک بتخانے تھے

ابتدا میں ہندوعرب کی مذہبی نوعیت یہی تھی، مگر بعد میں دونوں قوموں میں بت پرستی کا رواج ہوگیا، اور وہ بت پرست قوموں میں شامل ہوگئیں، دنیا کی بت پرست

---

[1] کتاب الملل والنحل طبع قدیم مصر ج ۱ ص ۲ و ۳ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۶

قوموں کے سات بڑے بڑے ہیاکل (بت خانے) تھے، جو سبع سیارہ کے نام سے موسوم تھے، مسعودی نے ان کی تفصیل یہ بیان کی ہے:

(۱) مکہ میں کعبہ زحل ستارہ کا ہیکل مان لیا گیا تھا (۲) ہیکلِ اصفہان، یہ مجوس کا آتشکدہ تھا (۳) ہندوستان میں سومنات (۴) بلخ میں نوبہار (۵) صنعاء یمن میں زہرا ستارہ کے نام کا بیت غمدان (۶) فرغانہ میں آفتاب کا ہیکل اور (۷) چین کا ہیکل[1]

شہرستانی نے دنیا کے ان سات بتخانوں کے نام شمار کراتے ہوئے ان کو ہند اور عرب میں مشترک بتایا ہے اور لکھا ہے:

واما بیوت الاصنام التی کانت	عرب اور ہندوستان
للعرب والهند فهی البیوت	کے مشہور بت خانے سات ہیں
السبعة المعروفة المبنیة علی	جو سات ستاروں کے نام پر بنے
السبع الکواکب۔	ہوئے ہیں۔

(۱) بیت فارس جبل اصفہان پر (۲) بت خانہ ملتان (۳) بت خانہ سومنات، (۴) نوبہار بلخ (۵) بیت غمدان صنعاء یمن (۶) بت خانہ فرغانہ۔ اور (۷) مکہ میں کعبہ جس کے متعلق بعد میں یہ غلط طور پر مشہور کیا گیا کہ وہ زحل ستارہ کی مناسبت سے بنایا گیا ہے؛ حالانکہ اس کے بانی نے اس کو ستاروں کے طوالع پر بنایا تھا، اور نہ اس کا نام بیت زحل رکھا گیا تھا کہ اسے بقاء دوام حاصل ہو، بلکہ کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنایا تھا، مگر عمرو بن لحی نے اپنی تولیت کے زمانہ میں بلقاء (ارض شام) سے پہلی مرتبہ بت لاکر کعبہ میں رکھا اور اس کا رواج ملک شاپور ذی الاکتاف کے زمانہ سے عام ہوا، جو زمانۂ اسلام تک جاری رہا، تا آنکہ فتح مکہ میں کعبہ کی تطہیر ہوئی۔[2]

---

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۸ تا ص ۲۴۱ طبع جدید مصر، [2] الملل والنحل ج ۲ ص ۱۰۷ و ۱۰۸

کعبہ کے بارے میں غلط عقیدہ اس حقیقت کے باوجود بت پرستوں کی ایک جماعت کعبہ کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی کہ وہ زحل ستارے کے نام پر بنایا گیا ہے، اسی لیے اس میں دوام و بقار کی شان پائی جاتی ہے مسعودی نے اس جماعت کا خیال نقل کیا ہے:

وقد ذهب قوم ان البيت	ایک جماعت کا خیال ہے کہ کعبہ ہیکل
الحرام وهو بيت زحل وانما طال	زحل ہے اور اس لیے وہ مرور ایام کے
عند هم بقاء هذا البيت على	بعد بھی قائم ہے اور مدت دراز سے ہر
مرور الايام معظم فى سائر الاعصار	زمانہ میں معزز و محترم رہا ہے کیونکہ
لانه بيت زحل، وان زحل	وہ زحل ستارہ کا ہیکل ہے، اور زحل ہی
تولاه، ولان زحل من شانه	اس کا متولی و مالک ہے، زحل کے لیے
البقاء والثبوت، فما كان له	بقار و دوام ہے، جو چیز اس کے نام پر ہوگی
فغير زائل ولا داثر وعن التعظيم	اس میں زوال و تغیر نہیں ہوگا، بلکہ اس کی
غير حائل [1]	تعظیم و تکریم ہمیشہ باقی رہے گی۔

ہندوستان کے ہندو بھی ان ہی بت پرستوں میں تھے، جو کعبہ کو زحل ستارہ کا ہیکل مان کر اس کی تعظیم و تکریم کے قائل تھے، بلکہ وہ عرب کے بعض دوسرے بت خانوں کا بھی احترام کرتے تھے،

کعبہ سے عقیدت ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں کو کعبہ سے کسی نہ کسی رنگ میں علاقہ رہا ہے، چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب عبد المطلب نے چاہ زمزم کو دوبارہ کھودا، تو اس کے اندر سے سونے کے دو ہرن ملے جو قبیلہ بنو جرہم کے تھے،

ووجد فيها أسيافا قلعية	نیز اس میں انھوں نے کلہ کی تلواریں اور

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۷ طبع جدید مصر۔

وأدرعًا لہ — زرہیں پائیں،

اس سامان کے بارے میں قریش نے عبدالمطلب سے جھگڑا کر کے اپنا استحقاق ظاہر کیا، اور جب قرعہ اندازی ہوئی تو یہ تلواریں اور زرہیں عبدالمطلب کے حصہ میں آئیں اور تلواروں سے انھوں نے کعبہ کا دروازہ بنایا،

یہ اسیاف قلعیہ وہ ہندی تلواریں ہیں جو یہاں کے شہر کلہ میں بنائی جاتی تھیں، مشہور سیاح ابودلف مسعر بن مہلہل ینبوعی کلہ کے متعلق لکھتا ہے:-

وفیہا قلعۃ عظیمۃ فیہا	اس شہر میں بہت بڑا قلعہ ہے، جس میں
معدن الرصاص القلعی لا	رانگے کی کان ہے، اور یہ صرف اسی قلعہ میں
یکون الا فی قلعتہا وفی ہٰذہ	ہوتا ہے، اور اسی قلعہ کے اندر قلعی تلواریں
القلعۃ تضرب السیوف القلعیۃ	بنائی جاتی ہیں، جو اعلیٰ قسم کی ہندی تلواریں
وہی الہندیۃ العتیقۃ[2]	ہوتی ہیں:

مشہور شاعر فرزدق نے آل مہلب کی تعریف کے ضمن میں قلعیہ یعنی کلہ کی بنی ہوئی ہندوستانی تلواروں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

متقلدی قلعیۃ وصوارم — ہندیۃ وقدیمۃ الآثار

(وہ لوگ قلعی تلواریں اور قدیم ہندوستانی شمشیر براں اپنی کمر سے باندھے ہوئے ہیں)

اس روایت سے اگرچہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کلہ کی ہندوستانی تلواروں کو یہاں کے لوگوں نے کعبہ کی نذر کیا تھا، یا خود عربوں نے ان کو خرید کر وفائن کعبہ میں رکھا تھا، مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو چاہ زمزم کے اندر ہندوستان کی تلواریں ملیں، اور انھوں نے ان کو کعبہ کے دروازے میں استعمال کیا، جو رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۶ [2] یہ سیاح ۳۳۱ھ میں موجود تھا، اس نے عرب سے چین تک کا سفر کیا تھا، اسکے سفر نامہ کا اکثر حصہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں چین کے ذکر میں نقل کر دیا ہے، ملاحظہ ہو معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۹

علیہ وسلم کے زمانہ تک موجود تھا۔

کعبہ سے ہندوستانیوں کی قدیم عقیدت و تعلق کا پتہ بعد کے واقعات سے بھی چلتا ہے، چنانچہ خلیفہ مامون کے زمانہ میں تبت اور سندھ کے علاقہ کا ایک راجہ مسلمان ہوا، اس کے پاس انسانی شکل کا سونے کا ایک مرصع بت اور اس کا تخت تھا، اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد ان دونوں گرانقدر چیزوں کو کعبہ کی نذر کر دیا، امام ابوالولید محمد بن عبداللہ ازرقی مکیؒ نے تاریخ مکہ میں اس کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے[1]

قلیس سے عقیدت کعبہ کے علاوہ عرب کے دوسرے معبدوں سے بھی ہندوستانیوں کو عقیدت تھی اور وہ ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابرہہ نے صنعاء میں بیت غمدان کے پہلو میں ایک بہت بڑا ہیکل قلیس کے نام سے بنوایا تھا، تاکہ کعبہ کے حجاج کو مکہ سے ہٹا کر اس معبد کو عربوں کی عبادت گاہ قرار دے، قلیس عرب و عجم میں اپنی شان کا واحد معبد تھا، اس کی تعمیر میں جو پتھر استعمال کیے گئے تھے، وہ مآرب کے قصر بلقیس کے تھے، اور سبز، سرخ، زرد اور سیاہ قیمتی پتھر اس طرح جوڑے گئے تھے کہ:

وفیها بین کل ساقین خشب	ہر دو ستونوں کے درمیان شیشم کی لکڑی
من ساسم مدور الرأس	تھی جس کا سرا گول تھا، اور جس کی موٹائی آدمی
غلظ الخشبة ...... حضن الرجل	کے دونوں ہاتھ کے گھیر کے برابر تھی، اور
وکان المدخل منه (الباب)	باہری دروازہ سے تجانے کے اندر جانے کا
الی بیت فی جوفه طوله	راستہ ساگوان کی منقش لکڑی کا بنا ہوا تھا،
ثمانون ذراعاً فی اربعین	جو معلق تھا اور اس کی لمبائی اسی ہاتھ اور
معلق العمل بالساج المنقوش	چوڑائی ۴۰ ہاتھ تھی، اس میں سونے اور

[1] بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۹۶

وصا میر الذھب والفضۃ[1]	چاندی کی کیلیں لگی تھیں۔

آگے چل کر اس کی بناوٹ اور سجاوٹ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ودرج المنبر من خشب الساج	منبر کی سیڑھیاں ساگوان کی لکڑی کی تھیں،
ملبسۃ ذھبا وفضۃ، وکان	جن پر سونا اور چاندی منڈھا ہوا تھا اور گنبد
فی القبۃ أو فی البیت خشبۃ	میں سونے کی زنجیریں آویزاں تھیں، اور اسی
ساج منقوشۃ طولھا ستون	قبہ میں یا اندرونی حصہ میں ساگوان کی ایک منقش
ذراعا یقال لھا کعیب خشبۃ	لکڑی تھی جس کا طول ساٹھ ہاتھ تھا، اسے
من ساج نحوھا فی الطول یقال	کعیب کہتے تھے، اور اتنی ہی لمبی ایک دوسری
لھا امرأۃ کعیب کانوا	ساگوان کی لکڑی تھی جسے کعیب کی بیوی کہتے
یتبرکون بھما فی الجاھلیۃ	تھے، عرب کے لوگ دورِ جاہلیت میں ان دونوں
وکان یقال لکعیب الاحوزی	مورتیوں سے برکت حاصل کرتے تھے، اور کعیب
والاحوزی بلسانھم الحر[2]	کا نام ان کے یہاں احوزی تھا، جس کے معنی
	ان کی زبان میں آزاد کے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معبد کی چوب عمارتی تمامتر ہندوستان کی شیشم اور ساگوان کی تھی، اور اس کے دونوں بت یعنی کعیب اور اس کی بیوی ساگوان کی لکڑی ہی تراش کر بنائے گئے تھے، عجب نہیں کہ ہندوستان ہی کے بت تراشوں نے کعیب اور اس کی بیوی کی شکل بنائی ہو، کیونکہ ہندوستان اس فن میں قدیم زمانہ سے شہرت رکھتا ہے، اور عرب کے بت پرست اس میں کوئی خاص مہارت نہیں رکھتے تھے۔

عرب اور ہندوستان کے مشہور بت اور بتخانے اور ان کی مشترک باتیں

جس طرح ہندوستان میں کواکب پرستی اور ستاروں کے نام پر بتخانوں کا رواج تھا، اسی طرح عرب

---

[1] اخبار مکہ ازرقی طبع مکہ مکرمہ ج ا ص ۱۴۸ [2] ایضاً ص ۵۸

کے بہت سے قبائل کواکب پرستی کرتے تھے اور بتخانے بناتے تھے، چنانچہ قاضی صاعد بن اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے کہ یہ قبائل ان ستاروں کی پوجا کرتے تھے، بنو حمیر سورج کی، بنو کنانہ چاند کی، بنو تمیم دبران کی، بنو لخم اور بنو جذام مشتری کی، بنو طے سہیل کی، بنو قیس شعریٰ کی، بنو اسد عطارد کی، قریش میں الحاد و بددینی تھی، جسے انھوں نے اہل حیرہ سے لیا تھا، غرض اسلام کی ابتدا میں پورے عرب میں بت پرستی عام تھی، اور بنو تمیم میں مجوسیت تھی، اس قبیلہ کے مشہور مجوسی زرارہ بن حاجب بن زرارہ، اقرع بن حابس اور ابو اسود تھے۔[1]

عربوں کی بت پرستی کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے بت وُد، سواع اور یعوق تھے، دومۃ الجندل میں بنو کلب وُد کو پوجتے تھے، بنو ہذیل سواع کو پوجتے تھے، اہل یمن اور بنو مذحج کا بت یغوث تھا، یمن کا قبیلہ بنو ہمدان یعوق کی پرستش کرتا تھا، حمیر کے ذوالکلاع نسر کی پوجا کرتے تھے، طائف کے بنو ثقیف کا بت لات تھا، مکہ میں قریش کا بت عزیٰ تھا، بنو کنانہ اور بنو سلیم کے کچھ لوگ بھی عزیٰ کو پوجتے تھے، مدینہ میں اوس، خزرج اور غطفان کا بت منات تھا، عرب کے بتوں میں ہبل سب سے بڑا بت تھا، اس لیے اس کا مقام کعبہ کی چھت پر تھا، اساف اور نائلہ نامی دو بت صفا اور مروہ پر تھے، اور اس طرح ان کو عمرو بن لحی نے کعبہ کے سامنے نصب کیا تھا۔[2]

ہندوستان اور سندھ کے جن ساحلی مقامات سے عربوں کو قدیم تعلق تھا، اور جہاں کے لوگ عرب میں آنے جاتے تھے، یا وہاں آباد ہو گئے تھے، ان مقامات میں بڑے بڑے بتخانے تھے، اور ان کے بارے میں الگ الگ عقائد و تصورات تھے، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ہندوستان کے ان ساحلی بت خانوں کے یہ نام دیئے ہیں: (۱) مانکیر (منگرور) کا بتخانہ اس میں بیس ہزار بت تھے اور اس کی عمارت ایک فرسخ کی لمبائی چوڑائی میں تھی، لوگ دور دور سے آکر یہاں قربانی اور نذریں پیش کرتے بلکہ جان تک چڑھاتے تھے، (۲) ملتان کا بت خانہ

---

[1] طبقات الامم ص ۵۰۔ [2] الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۱۰۹ طبع قدیم۔

جو سبعہ ہیاکل میں سے ایک تھا، یہاں ہندوستان بھر سے پجاری آکر قربانیاں، بخور اور نیازیں چڑھاتے تھے (۳)، بامیان کا بت خانہ (۴) قمار (راس کماری) کا بت خانہ صنف (ہندا ور چین کے درمیانی شہر) کا بت خانہ وغیرہ۔[1]

اس سے دونوں ملکوں کی کواکب و اصنام پرستی اور ان میں ہیکلوں کی کثرت کا پتہ چلتا ہے۔

عرب کے عام ہندو صابئہ اور کچھ مجوس شمار کئے جاتے تھے

شہرستانی نے الملل والنحل میں "آراء الہند" کے ماتحت لکھا ہے کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب اور بہت سے فرقے اور جماعتیں ہیں، مگر یہاں کے جمہور صابئہ کے مذہب پر ہیں اور کواکب پرستی ان کا مذہب ہے، البتہ ان کے طریقے جدا جدا ہیں:

واکثرهم علی مذهب الصابئة	ہندوستان کے اکثر باشندے صابئہ اور
ومناهجها فمن قائل بالروحانیات	اس کے طریقوں پر ہیں، ان میں بعض روحانیات
ومن قائل بالهیاکل، ومن قائل	کے قائل ہیں، بعض ہیکلوں کے قائل ہیں، اور
بالاصنام الا انهم مختلفون	بعض بتوں کے قائل ہیں، البتہ یہ سب اپنے
فی متحل المسالك التی ابتدعوها	اپنے مذہبی طریقوں اور شکلوں میں جن کو
وکیفیة اشکال وضعوها[2]	انھوں نے ایجاد کیا مختلف ہیں۔

علامہ ابن صاعد اندلسیؒ نے بھی جمہور اہل ہند کو صابئہ ہی بتایا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

وانا الصابئة وهم جمهور الهند	ہندوستان کے جمہور صابئہ ہیں، ان کی اکثریت عالم
ومعظمها فانها تقول بازل	کی ازلیت کی قائل ہیں اور یہ کہ عالم علۃ العلل
العالم، وانه معلول بذاته	یعنی ذات باری تعالیٰ سے معلول ہے یہ لوگ
علة العلل التی هی الباری	کواکب کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے تمثیلے کے

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۴۸۵ و ۴۸۶ [2] الملل والنحل ج ۲ ص ۱۱۵

عزوجل ونعظم الكواكب د	مطابق ان کی صورتیں بناتے ہیں اور اپنی
نصور لها صورا اتمثلها	فہم کے مطابق ہر ستارہ کی طبیعت کے مناسب
ونتقرب اليها بانواع قرابين	طرح طرح کی قربانیاں دیتے ہیں،
على حسب ماعلموا من طبيعة	تاکہ اس کے ذریعے ان ستاروں سے
كل كوكب منها ليستجلبوا بذالك	قوت حاصل کرکے اس دنیا میں ان کے
قواها، وليصرفوا في العالم السفلى	تاثیرات کو کام میں لائیں، اور ستاروں
على اختيارهم تلك بيرها ، ويسمون	کی ان مثالی صورتوں میں ہر ایک صورت
كل صورة من هذه الصور بدا[1]	کو بت کہتے ہیں،

صابئہ کے علاوہ ہندوستان میں ایک اور فرقہ تھا، جو مذہب ثنویہ کی طرف مائل اور ملت ابراہیمی کا قائل تھا، الملل والنحل میں ہے :۔

ومنهم من يميل الى مذهب	ہندوستانیوں میں سے بعض مذہب ثنویہ
الثنوية ويقول بملة ابراهيم	کی طرف مائل ہیں، یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام
عليه السلام[2]	کے دین کے قائل ہیں[3]

یہ ثنویت مجوس کا بنیادی عقیدہ ہے، اور نور و ظلمت کے فلسفہ پر اس کا دار و مدار ہے

ثم الثنوية اختصت بالمجوس	ثنویت مجوسیوں کے ساتھ مخصوص ہے
حتى اثبتوا اصلين اثنين مدبرين	اور وہ دو اصلوں کو قدیم اور مدبر
قديمين يقتسمان الخير	مانتے ہیں جو خیر اور شر، نفع و نقصان اور
والشر والنفع والضرر والصلاح	صلاح و فساد میں منقسم ہیں، ان میں سے
والفساد ويسمون احدهما	ایک اصل کو نور اور دوسرے اصل کو
النور والثاني الظلمة وبالفارسية	ظلمت کہتے ہیں، اور فارسی میں ان کو یزدان

---

[1] طبقات الامم ص ۱۵ [2] الملل والنحل ج ۲ ص ۱۱۵ [3] یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا، بلکہ برہمیت اور بدھمت میں اشتباہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

یزدان، واھرمن [1] — اور اہرمن سے یاد کرتے ہیں۔

اس کے بعد شہرستانی نے ہندوستان کے فرقہ ثنویہ یا مجوس کا تذکرہ کیا ہے، نیز مجوسیوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کی ایک شاخ زرداشتیہ ہے، جس کا خیال ہے کہ ہمارے یہاں بھی انبیاء اور ملوک ہوئے، اور پہلا بادشاہ کیومرث تھا، جسے پورے روئے زمین کی بادشاہت حاصل تھی، اس کا مرکزی مقام اصطخر تھا، اس کے بعد اوشہنج بن فراول بادشاہ ہوا، جس نے ہندوستان جاکر مجوسیت کی تبلیغ کی تھی۔

ونزل الھند وکانت لہ — یہ بادشاہ ہندوستان گیا اور وہاں اپنے
دعوۃ ثمۃ [2] — مذہب کی دعوت دی،

ہندوستان کے ان مجوسیوں کے پیشواؤں کو عرب ہربذ کہتے تھے، یہ ان کے آتشکدہ کے منتظم اور ذمہ دار ہوتے تھے، لسان العرب میں ہے:۔

الھربذ بالکسر واحد — ہربذ ہرابذہ کا واحد ہے جو ہندوستان
الھرابذۃ، المجوس، وھم — کے آتشکدہ کے پجاری اور منتظم ہوتے ہیں،
قومۃ بیت النار التی فی — یہ لفظ فارسی سے معرب کیا گیا ہے اور
الھند، فارسی معرب وقیل — ایک قول ہے کہ ہرابذہ ہندوستان کے
عظماء الھند [3] — بڑے لوگوں کو کہتے ہیں۔

ہندوستان کے یہ ثنویہ عربوں میں بہت بعد تک مجوس ہی کے نام سے مشہور تھے چنانچہ بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے عجائب الہند میں ابوالزہر برخستی، ناخدا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلے ہندوستان کے مذہب پر مجوسی تھا، پھر مسلمان ہوگیا۔

کان من عظماء سیراف، وکان — یہ شخص سیراف کے بڑے لوگوں میں سے تھا اور
مجوسیا علی دین الھند، وکان — ہندوستان کے مذہب پر مجوسی تھا اور اپنی قوم

---

[1] الملل والنحل ج ا ص ۱۳۷، ۱۳۸ [2] الملل والنحل ج ا ص ۱۴۰ [3] لسان العرب ج ۶ ص ۵۱۹

عندهم امينا يقبلون قوله	میں بڑا امانت دار مانا جاتا تھا لوگ اس کی بات کو
ويأتو دعونه اموالهم واولادهم	مانتے تھے اور اپنا مال اور اپنی اولاد اس کے یہاں
فنا سلم وحسن	امانت رکھتے تھے، بعد میں وہ اسلام لایا اور
اسلامه[۱]	پکا مسلمان ہو گیا،

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں موجود ہندوؤں کو زمانۂ اسلام میں فرقۂ صابئہ اور مجوس میں شمار کیا گیا، اور ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں وہی معاملہ کیا گیا جو بحرین، عمان، ہجر، خط اور یمن وغیرہ میں آباد عجمیوں اور مجوس و صابئہ کے ساتھ کیا گیا تھا، جیسا کہ معلوم ہوگا،

عرب کے ہندو اور دعوت اسلام

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، ہندوستان کے لوگ عرب میں یوں تو اکثر مقامات میں موجود تھے، اور حضری اور بدوی دونوں قسم کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر عرب کے سواحل میں خلیج عربی سے لے کر یمن کے اطراف تک میں خاص طور سے بکثرت موجود تھے، ان میں سے کچھ تو تجارتی کاروبار کرتے تھے، کچھ ایرانیوں کے ماتحت سیاست و حکومت کے کاموں میں دخیل تھے، اور کچھ آزاد زندگی بسر کر کے اپنا ذریعۂ معاش تلاش کرتے تھے،

عرب کے ان مشرقی اور جنوبی سواحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں اسلام کی دعوت عام فرمائی، جہاں اساورہ، ان کی اولاد ابنائے یمن، سیابجہ اور زط عام طور پر موجود تھے، اس لیے یہاں کے مشرک اور مجوس عربوں کی طرح بہت سے عجمی باشندے بھی اسلام لائے، جن میں ایرانی، ہندی، سندھی اور حبشی وغیرہ سب ہی شامل تھے،

یمن میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

عرب کے ان عجمیوں میں ہماری تحقیق میں سب سے پہلے یمن کے علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] رجال السند والہند ص ۲۷۲

علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام عام ہوئی اور یہاں کے عربی باشندوں کی طرح عجمی باشندے بھی مسلمان ہوئے، یمن کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ کسریٰ انوشیرواں کے وقت میں یہاں پر سندھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی، ان کی قوت و شوکت کا حال یہ تھا کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو انوشیرواں نے وہاں کے عرب حاکم سیف بن ذی یزن سے دریافت کیا کہ:

اي الاغربة الحبشة ام	کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے،
السند[1]	حبشی یا سندھی؟

حضرت باذان حاکم یمن

بعد میں اسی یمن کے ایرانی حاکم حضرت باذان رضی اللہ عنہ [۱] سنہ یا سنہ نبوی میں اسلام لائے، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ یمن پر کسریٰ کے قبضہ کے بعد پہلا ایرانی حاکم وہرز ہوا، پھر اس کا بیٹا مرزبان، پھر اس کا بیٹا تینجان، پھر اس کے بیٹے کو کسریٰ نے یمن کی حکومت دی، مگر بعد میں اسے معزول کر کے باذان کو حاکم بنایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک وہاں کا حاکم رہا، چنانچہ جب کسریٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ہوئی تو اس نے باذان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکہ میں قریش کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، لہٰذا تم اس کے پاس جاؤ اور اس دعویٰ سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرو، اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ اس کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیجدو، باذان نے خود جانے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسریٰ کا یہ خط بھیجدیا، آپ نے باذان کو جواب میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائے گا، جب باذان کے پاس یہ نامۂ نبوی آیا تو اس نے صورتِ حال کے انتظار میں اس کو روکے رکھا کہ اگر یہ شخص نبی برحق ہوگا تو اس بات کی سچ ہو کر رہے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ نے جس دن کسریٰ کے قتل ہونے کی خبر دی تھی، اسی دن اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۲ و کتاب التبیان ص ۳۰ و تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۶

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کسریٰ کے قتل کی تاریخ شب دوشنبہ ۱۰ رجادی الاخری ۷ھ بتائی ہے[1] باذان یہ معجزہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہوگیا،

فلما بلغ ذلك باذان بعث باسلامه	جب باذان کو کسریٰ کے قتل کی خبر پہنچی تو
واسلام من معه من الفرس	انھوں نے اپنے اور اپنے ساتھی ایرانیوں
الى رسول الله صلى الله عليه وسلم	کے مسلمان ہونے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ
فقالت الرسل من الفرس	علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدی، ان ایرانی
لرسول الله صلى الله عليه وسلم	قاصدوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الى من نحن يا رسول الله قال	سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا شمار کن
انتم منا والينا اهل	لوگوں میں ہوگا، آپ نے فرمایا تم لوگ
البيت[2]	ہمارے اہل بیت میں شمار کیے جاؤ گے۔

کتاب السیرۃ المحمدیہ والطریقۃ الاحمدیہ میں ہے کہ جب باذان کے پاس کسریٰ کے مرنے کی خبر آئی تو وہ بیمار تھے، ان کے اساورہ نے جمع ہوکر دریافت کیا کہ کسریٰ کے قتل ہوجانے کے بعد اب ہم کس کو اپنا امیر وحاکم بنائیں، انھوں نے ان کو اسلام قبول کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مشورہ دیا،

فاجتمعت له اساورته فقالوا	اساورہ نے ان کے پاس جمع ہوکر کہا کہ اب
من نؤمر علينا؟ فقال اتبعوا	ہم کس کو اپنا امیر بنائیں تو انھوں نے مشورہ دیا
هذا الرجل وادخلوا في دينه	کہ اس آدمی (رسول اللہ) کی اتباع کرو
واسلموا[3]	اور ان کے دین میں داخل ہوکر مسلمان ہوجاؤ۔

حضرت باذان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اساورہ، شاہ ایران کے گماشتے تھے، مگر

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۴، [2] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۹ [3] سیرت محمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی پرویز بن ہرمز بن انوشیروان،

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، شاہان ایران کی فوج میں ہندوستان کے جاٹ اور میدبھی شامل تھے، اور ہندوستان کے فوجی سواروں کو بھی اساورہ کہا جاتا تھا، جو بڑی تعداد میں ایرانی اساورہ کے ساتھ عرب میں پائے جاتے تھے، اس لیے حضرت باذان رضؓ اور دوسرے مسلمان ہونے والے اساورہ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایرانی تھے یا ہندوستانی یا دونوں تھے، بعض قرائن سے حضرت باذان کا ہندوستانی ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں ان کا تذکرہ تین نسبتوں سے کیا۔ (۱) باذان الفارسی (۲) باذان ملک الہند (۳) باذان ملک الیمن، ان تینوں میں باذان سے مراد یہی حضرت باذانؓ ہیں جنھوں نے کسریٰ کے قتل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اور اساورہ کے اسلام لانے کی خبر بھیجی تھی، ان کے تذکرہ میں ہے کہ:-

(۱) "باذان الفارسی یمن کے ابناء میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام لائے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اسود عنسی کے قتل میں حصہ لیا"

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

(۲) "باذان ملک الہند، ذکرہ ابن مفرز قال لما قتل کسریٰ بعث باذان باسلامہ و اسلام من معہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکاہ ابن ھشام۔"

باذان ملک الہند کے تذکرے میں ابن مفرز نے لکھا ہے کہ جب کسریٰ قتل کر دیا گیا تو انھوں نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدی، جیسا کہ ابن ہشام کا بیان ہے۔

(۳) پھر لکھا ہے کہ "باذان ملک الیمن کا تذکرہ اقدی نے سبا کے اسلام لانے والوں میں کیا ہے، میرا خیال ہے یہ وہی باذان ہیں جنھوں نے اسود عنسی کے قتل میں کام کیا ہے۔"[1]

---

[1] تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۵۴ طبع حیدرآباد،

ان تینوں ناموں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ حضرت باذان رضؓ تینوں نسبتوں سے تاریخ میں متعارف ہیں، فارسی اس لیے کہلاتے ہیں کہ فارس کے رہنے والے تھے، کامل ابن اثیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت باذان رضؓ کا خاندان خراسان کے شہر مرو الروز کا تھا، چنانچہ عہدِ عثمانی میں ۳۱ھ میں جب حضرت احنف بن قیس رضؓ نے خراسان کو فتح کر کے مرو الروز پر فوج کشی کی تو وہاں کے ایرانی حاکم نے جو حضرت باذان رضؓ کا قرابت دار تھا صلح کر لی، اور اس قرابت کو صلح کے لیے بہانہ بنایا،

وکان مرزبانها من اقارب	مرو الروز کا حاکم باذان صاحب یمن کے
باذان صاحب الیمن فکتب	رشتہ داروں میں سے تھا اس نے احنف
الی الاحنف انه دعانی	کو لکھا کہ میری صلح کا باعث باذان کا مسلمان
الی الصلح اسلام باذان فصالحه	ہو جانا ہے، چنانچہ اس نے حضرت احنف رضؓ
علی ستمائة الف[1]	سے چھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔

اس تصریح سے حضرت باذان رضؓ کا فارسی ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے، اور ملک الیمن ہونا بھی اس لیے صحیح ہے کہ کسریٰ نے قیناان کے بیٹے کو یمن کی حکومت سے معزول کر کے باذان کو وہاں کا حاکم بنایا، اور ان کی حکومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئے،

باقی رہا باذان کا ملک الہند ہونا تو یوں کہ ان کا خاندان پہلے ہندوستان میں کسی جگہ حکمراں رہا ہو، اور یہاں کے بے شمار راجوں مہاراجوں کی طرح کسی علاقہ کی حکومت یا کسی مہاراجہ کی نیابت حاصل رہی ہو، اور بعد میں اس خاندان نے فارس جا کر ایرانی دربار میں اپنی حاکمانہ صلاحیت کا ثبوت دیا ہو، اور شاہان ایران نے مرو الروز کی مرزبانیت یعنی نیابت عطا کر دی ہو، جس طرح ہندوستان کے اساورہ ایرانیوں کی فوج اور حکومت میں رہا کرتے تھے

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۸

مگر حافظ ابن حجر کے نزدیک حضرت باذان رضی اللہ عنہ کے ملک الہند ہونے میں کلام ہے، انھوں نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ باذان الفارسی اور باذان ملک الیمن دونوں قطعاً ایک ہی شخص ہیں اور باذان ملک الہند کے بارے میں خیال ہے کہ اسے ملک الیمن ہونا چاہیے۔

قوله ملك الهند فيه نظر و	ذہبی نے باذان کو جو ملک ہند بتایا ہے اس میں
الصواب ملك اليمن [1]	نظر اور کلام ہے اور صحیح ملک یمن ہے۔

صاحب سیرۃ محمدیہ نے بھی حافظ ابن حجر کی موافقت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ولعله تحرف في لفظ ملك الهند	شاید ملک ہند میں سہو ہو گیا ہو اور
لعله ملك اليمن فكتب كلمة الهند	شاید ملک یمن ہو، اور یمن کی جگہ ہند
مكان اليمن والله اعلم [2]	لکھ دیا ہو،

حافظ ابن حجر کا خیال مسلم ہے، مگر حافظ ذہبی کے خیال کو بھی اگر صحیح تسلیم کر لینے کی وجہ مل جائے تو ایک حافظ حدیث و مورخ اسلام اور امام علم و فن کی طرف غلطی یا تصحیف کی نسبت سے بہتر ہوگا، جو حافظ ابن حجر سے کسی طرح کم درجہ کے نہیں ہیں، ہم نے حضرت باذان کو ملک ہند کہنے کی جو وجہ بیان کی ہے، گو وہ زیادہ قوی نہیں ہے، مگر قابل غور ضرور ہے، اور اس سے حافظ ذہبی کی بات سمجھ میں آسکتی ہے،

حضرت بیرزطن ہندی یمنی

اسی علاقۂ یمن کے ایک خالص ہندوستانی بزرگ حضرت بیرزطن رضی اللہ عنہ ہندی یمنی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ ہندوستانی طریقہ علاج کے ماہر طبیب تھے، انھوں نے بڑی عمر پائی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام قبول کیا، لیکن آپ سے ملاقات کا ثبوت نہیں ملتا، حافظ ابن حجر نے ان کا تذکرہ الاصابہ کی تیسری فصل میں کیا ہے جس میں ایسے حضرات کا بیان ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارک پایا ہے اور آپ کی حیات طیبہ ہی میں یا اس کے بعد

---

[1] الاصابہ ج ۱ ص ۱۷۰، طبع جدید مصر۔ [2] السیرۃ المحمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ہرمز بن کسریٰ

اسلام لائے۔

ان کا تذکرہ اصابہ میں اس طرح ہے کہ شیخ حسن بن محمد شیرازی نے کتاب السوانح میں اپنے شیخ جعفر بن محمد شیرازی کی روایت سے لکھا ہے:

بیرزطن الھندی، شیخ کان	بیرزطن ہندی، شاہان ایران کے زمانہ میں
فی زمن الاکاسرۃ لہ خبر	ایک بوڑھے آدمی تھے، بھنگ کے علاج
مشھور فی حشیش القنب	میں ان کا واقعہ مشہور رہے، اس کو ان
وانہ اول من اظھرھا بتلک	اطراف میں سب سے پہلے انھی نے رواج
البلاد، واشتھر امرھا عنہ	دیا تھا، اور یمن میں اس کی شہرت انکی وجہ
بالیمن، ادرک ھذا الشیخ الاسلام	سے ہوئی، انھوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور
فاسلم[1]	اسے قبول کیا،

حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ عنہ وہ پہلے خوش قسمت ہندوستانی ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یا کم از کم آپ کے زمانہ سے قریب تر عہد پایا، اس قربت زمانی کے ساتھ قربت مکانی میں بھی پہلے ہندوستانی باشندے ہیں،

حضرت باذان حاکم یمن اور ان کے اساورہ کے اسلام لانے کے بعد جن میں ایرانی، ہندوستانی اور سندھی سب ہی شامل تھے، یمن اور اطراف میں عربوں کی طرح عام عجمی باشندے بھی اسلام لائے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ کو اپنا حاکم مقرر فرمایا، طبری کا بیان ہے:

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ا ص ۱۸۰ طبع جدید مصر، میں نے قدیم مصری نسخہ پر اعتماد کرکے جو کلکتہ اور مصر کے مطبوعہ کو سامنے رکھ کر چھپا تھا، رجال السند والہند ص ۸۶ میں ان کا نام بیرطن ہندی لکھا ہے، مگر اصابہ کے جدید نسخہ میں بیرزطن ہے اور اس کی صحت کے بارے میں درج ہے کہ قوبلت ھذہ الطبعۃ علی عدۃ نسخ بدار الکتب المصریۃ وعلی جملۃ نسخ مطبوعۃ بمصر، اس لیے اب بیرزطن ہی کو صحیح سمجھنا چاہیے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی، وقد فرق فیھم عمالہ فکان الزبرقان ابن بدر علی الرباب وعوف والابناء فیما ذکر السری[1]	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال اس حال میں ہوا کہ آپ اپنے عمال کو عربوں میں مقرر فرما چکے تھے، چنانچہ زبرقان بن بدر کو قبیلہ رباب اور عوف اور ابناء یمن پر مقرر فرمایا تھا، جیسا کہ سری نے ذکر کیا ہے۔

نجران میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

یمن کے مشہور علاقہ نجران میں بھی ہندوستانی موجود تھے، چنانچہ سنہ ۱۰ھ میں جب نجران سے بنی حارث بن کعب کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھتے ہی ان پر ہندوستانی ہونے کا شبہ ظاہر فرمایا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ:

من ھٰولاء القوم الذی کانھم رجال الھند[2]	یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف وجوانب کے امراء وحکام کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو نجران کے عام باشندوں کے نام بھی ایک دعوت نامہ روانہ فرمایا امام طبری لکھتے ہیں:

وکتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اھل نجران الی عربھم وساکنی الارض من غیر العرب فثبتوا فتنحوا وانضموا الی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عربوں اور وہاں آباد غیر عرب باشندوں کے پاس خط لکھا، اس پر وہ لوگ اسلام پر قائم رہتے ہوئے اپنی جمعیت لے کر

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۲۱ [2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۳ وتاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۶

مکان واحد[1] ایک مقام پر رہتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر عرب باشندگان بحران میں وہاں کے ایرانیوں کی طرح ہندوستان اور سندھ کے باشندے بھی داخل رہے ہوں گے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر لبیک کہا اور اپنی ایک الگ بستی بنالی تھی،

بحرین اور عمان وغیرہ میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی گزشتہ تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے، کہ عراق کے شہر ابلہ سے لیکر خلیج عربی کے پورے طفوف و سواحل اور سیف میں ہندوستانیوں کی مختلف جماعتیں مختلف ناموں سے پھیلی ہوئی تھیں، اور بحرین و عمان کے تمام علاقے ان سے آباد تھے، جن میں خط، قطیف، آرہ، ہجر، بینونہ، زارہ، جواثا، سابور، دارین، غابہ اور دبا وغیرہ شامل تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری حصہ میں عرب کے ان سواحل اور ان کے اطراف کے عوام و خواص کو اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے، جن میں یہاں کے عربوں کی طرح یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی مخاطب تھے،

عمان میں نامۂ مبارک کے جانے کا حال حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں حضرت ابو شداد زماری عمانی رضی اللہ عنہ کے حالات میں ان کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے کہ ہمارے پاس عمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ آیا تو کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو اسے پڑھ کر سنا سکے، ہم نے ایک لڑکے کو بلا کر اسے سنا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو شداد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس وقت عمان پر کون حاکم تھا، تو انھوں نے بتایا کہ:

اسوار من اساورۃ کسریٰ[2] کسریٰ کے اساورہ میں سے ایک اسوار حکمراں تھا،

ظاہر ہے کہ عمان کے ایرانی حاکم اسوار کے معین و مددگار دوسرے اساورہ بھی وہاں

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۱۶، [2] الاستیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۴ ص ۱۰۵

تھے، جیسا کہ عرب کے ایرانی مقبوضات میں ایرانیوں کی حکومت کا طریقہ تھا، معلوم ہو چکا ہے کہ ایران کے اساورہ میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ وغیرہ شامل تھے، اس لیے عمان کے یہ جاٹ وغیرہ بھی اس نامۂ مبارک کے مخاطب رہے ہوں گے،

وضائع کسریٰ کون تھے؟ بحرین کے مشہور مرکزی مقام ہجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے کسریٰ کے خدام و متوسلین کو دعوت اسلام دی اور اس کے لیے مستقل آدمی یا خط بھیجا، علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی وضائع کسریٰ بهجر فلم یسلموا فوضع علیهم الجزیۃ دینارا علی کل رجل منهم[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر میں کسریٰ کے یرغمالوں کے پاس اسلام کی دعوت بھیجی، اور جب وہ اسلام نہیں لائے تو ان کے ہر مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر کر دیا۔

وضائع کسریٰ کون لوگ تھے؟ اور عرب میں ان کی کیا حیثیت تھی؟ اس کے متعلق لسان العرب کا بیان ہے:

والوضیعۃ قوم من الجند یوضعون فی کورۃ، لا یغزون منها والوضائع والوضیعۃ قوم کان کسریٰ ینقلهم من ارضهم فیسکنهم ارضا اخریٰ حتی یصیروا بها وضیعۃ ابداً وهم الشحن والمسالح والرهائن	وضیعہ وہ سپاہی ہیں جو ضلع میں رکھے جاتے ہیں اور وہ اس سے باہر جنگ نہیں کرتے اور وضائع ایک جماعت تھی جسے کسریٰ اس کے وطن سے منتقل کر کے دوسری جگہ آباد کرتا تھا، جہاں وہ ہمیشہ اس خدمت کے لیے مخصوص رہتے، وہ فوج اور سپاہی کا کام دیتے تھے

---

[1] فتوح البلدان ص ۹۲

والوضيعة الوضائع الذين	ازہری کا قول ہے کہ وضیعہ وہ لوگ ہیں جن کو
وضعهم كسرى فهم شبيه	کسریٰ نے ذلیل کیا تھا وہ یرغمال کے مشابہ
الرهائن كان يرتهنهم	تھے جن کو وہ اپنے بعض علاقوں میں آباد کرتا
وينزلهم بعض بلاده [1]	رہتا تھا۔

وضیعہ اور وضائع کے اس مفہوم میں اگرچہ بظاہر کسریٰ کے نوکر چاکر اور بیگار قسم کے سپاہی شامل ہیں، مگر ان میں ہندوستان کے جاٹوں اور دوسری جماعتوں کا موجود ہونا بھی قرین قیاس ہے، اس لیے وہ بھی دعوت اسلام کے مخاطب رہے ہوں گے۔

قطیف، خط اور دارین میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

اسی طرح ہجر اور اس کے اطراف کے شہر قطیف اور خط، دارین وغیرہ ہیں ان میں عہد رسالت میں جاٹ اور سیابجہ کی اچھی خاصی آبادی تھی، اور آپ کی وفات کے بعد جب ان اطراف میں ارتداد کی وبا پھوٹی تو حطم بن ضبیعہ مرتدین سے الگ بچے کھچے کفار کی جماعت کو لیکر اور یہاں کے زط اور سیابجہ کو ساتھ ملاکر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوا۔

حتى نزل القطيف وهجر واستغوى	حطم نے قطیف اور ہجر میں آکر مقام خط کے
الخط ومن فيها من الزط والسيابجة	باشندوں کو گمراہ کیا، نیز یہاں کے جاٹ اور
وبعث الى دارين [2]	سیابجہ کو بہکا کر دارین کی طرف بھیجا،

اس سے ظاہر ہے کہ خط کے پورے علاقے کے وہ ہندوستانی بھی مکتوب نبوی کے مخاطب تھے جنھوں نے بعد میں حطم بن ضبیعہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

بحرین پر عہد رسالت میں فارس کی حکومت تھی اور اس کے اطراف و جوانب میں مجمیوں اور ایرانیوں کی بستیاں تھیں، عرب قبائل میں عبدالقیس، بکر بن وائل اور بنو تمیم بدوی زندگی

---

[1] لسان العرب ج ۸ ص ۳۹۹ [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۵ و ۲۵۶

بسر کرتے تھے، چونکہ وہاں ان ہی عربوں کی کثرت تھی، اس لیے ایرانیوں کی طرف سے وہاں کے حکمراں عرب ہی مقرر کیے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں کے عرب حاکم حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ عنہ تھے،

ہجر میں دعوتِ اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

اسی طرح بحرین کا مرکزی شہر ہجر اس وقت بہت آباد تھا، جہاں عربوں کے علاوہ اہلِ عجم میں سے یہود، نصاریٰ اور مجوس کی بڑی تعداد آباد تھی، عہدِ رسالت میں یہاں شاہ ایران کی طرف سے حضرت سیبخت مرزبان تھے، ہجر کے باشندوں کے لیے تاریخ میں اہل فرس، اہل عجم اور اہل ارض وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں، جن میں مجوس، یہود اور نصاریٰ سب شامل ہیں اور ان ہی میں ہندوستان کے زط، سیابجہ اور اساورہ بھی تھے، جن پر مجوس کا اطلاق ہوتا تھا کیونکہ عرب میں ہندوستانی باشندوں کو مجوس میں شمار کیا جاتا ہے، اس لیے ان کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہی معاملہ کیا ہوگا جو عام مجوس ہجر وغیرہ کے ساتھ فرمایا۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن عبداللہ بن عماد حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور ہجر میں اسلام کا داعی بنا کر روانہ فرمایا اور ان کے ذریعہ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور سیبخت مرزبان ہجر کو خطوط روانہ کیے جن میں اسلام کی دعوت تھی اور اس دعوت پر انھوں نے لبیک کہا۔

فاسلما واسلم معہما جمیع	یہ دونوں حاکم اسلام لائے اور ان کے
العرب، ھناک وبعض العجم	ساتھ وہاں کے تمام عرب باشندے اور
فاما اھل الارض من المجوس	کچھ عجمی اسلام لائے، مگر وہاں کے آباد
والیھود والنصاریٰ فانھم	مجوس، یہود اور نصاریٰ نے اسلام نہیں قبول
صالحوا العلاء	کیا اور حضرت علاء سے صلح کرلی۔

حضرت علاء حضرمیؓ نے بحرین کے ان غیر مسلموں کے لیے یہ صلح نامہ تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا ما صالح علیہ العلاء الحضرمی أھل البحرین صالحھم علی ان یکفونا العمل ویقاسمونا التمر فمن لم یف بھذا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ واما جزیۃ الرؤوس فانہ اخذ لھا من کل حالم دیناراً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس صلح نامہ کے مطابق علاء حضرمی نے اہل بحرین سے صلح کی اور یہ شرط قرار پائی کہ وہ کھجور کے باغات میں خود کام کریں گے اور کھجور میں ہمارا حصہ بھی لگائیں گے، جو اس شرط کو پورا نہیں کرے گا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، اور جزیہ کا حساب یہ ہے کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار لیا جائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مسلمانوں کے نام یہ مکتوب روانہ فرمایا:

اما بعد: فانکم اذا اقمتم الصلوٰۃ وآتیتم الزکوٰۃ، ونصحتم للہ ورسولہ وآتیتم عشر النخل ونصف عشر الحب ولم تمجسوا اولادکم فلکم ما اسلمتم علیہ غیر ان بیت النار للہ ورسولہ وان ابیتم فعلیکم الجزیۃ[1]

حمد و صلوٰۃ کے بعد اگر تم لوگ نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور اللہ و رسول کی خیر خواہی کرو گے اور کھجوروں کا عشر اور غلہ کا نصف عشر دو گے اور اپنی اولاد کو مجوس نہیں بناؤ گے تو جس حالت میں مسلمان ہوئے ہو اس کے تمام حقوق تم کو حاصل رہیں گے، البتہ آتشکدہ اللہ و رسول کے تصرف میں ہوگا اور اگر تم ان شرائط کا انکار کرو گے تو پھر جزیہ لازم ہوگا۔

اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بحرین میں جنگ

---

[1] فتوح البلدان ص ۸۹

اور قتال کی نوبت نہیں آئی، بلکہ بہت سے باشندوں نے جن میں عربی قبائل زیادہ تھے، برضاورغبت اسلام قبول کرلیا، اور کچھ لوگوں نے جن میں زیادہ تر عجم کے مجوسی اور کچھ یہودی تھے، اسلام قبول کرنے کے بجائے حضرت علا حضرمیؓ سے غلہ اور کھجور کی نصف پیداوار کی تقسیم پر صلح کرلی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علا حضرمیؓ کو بحرین اور ہجر میں سنہ ۶ھ میں روانہ فرمایا تھا، جب آپ نے اطراف و جوانب کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے،

مقام ہجر کا معاملہ بحرین سے کچھ مختلف رہا، یہاں مجوسیوں کی آبادی زیادہ تھی، جب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام کی دعوت آئی تو یہاں کے عربوں نے بھی عام طور سے اسلام قبول کرلیا، مگر مجوسیوں اور یہودیوں نے یہاں بھی اسلام کے مقابلہ میں جزیہ دینا قبول کرلیا۔

ودعا اهل هجر فكانوا بين	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر کو
راض وكاره اما العرب	اسلام کی دعوت دی جسے کچھ لوگوں نے پسند کیا
فاسلموا، واما المجوس واليهود	اور کچھ نے پسند نہیں کیا، عرب تو مسلمان
فرضوا بالجزية فاخذت	ہو گئے مگر مجوس اور یہود جزیہ ادا کرنے پر راضی
منهم[1]	ہوئے اور ان سے جزیہ وصول کیا گیا۔

بحرین اور ہجر سے جزیہ کی جو پہلی قسط آپ کی خدمت میں آئی تھی اس کی تعداد اسی ہزار تھی، آپ کی زندگی میں باہر سے اتنی کثیر آمدنی نہ اس سے پہلے ہوئی نہ اس کے بعد۔

عرب میں آباد ہندوؤں کے ساتھ مجوس اور صابئہ جیسا معاملہ کیا گیا

یہ معلوم ہو چکا ہے، کہ عرب میں ہندوستان

---

[1] فتوح البلدان ص ۹۱

کے بت پرست مجوس اور صابئہ کے زمرے میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شمار ہوتے تھے، اس بنا پر ان میں سے جو لوگ اسلام لائے ان کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں جیسا معاملہ فرمایا اور جو اپنے مذہب پر قائم رہے، ان کے ساتھ صابئہ اور مجوس کا معاملہ کیا گیا اور صابئہ کو مجوس میں شمار کر کے مشرکین عرب، اہل کتاب، یہود و نصاریٰ اور مجوس کے الگ الگ احکام جاری کیے گئے۔ چنانچہ مجوس ہجر کو جن میں صابئہ بھی داخل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا جس کا متن یہ ہے:

كتب رسول الله صلى الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں کے
عليه وسلم الى مجوس هجر يدعوهم	نام خط لکھا جس میں آپ نے ان کو اسلام کی دعوت
الى الاسلام فان اسلموا	دی کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کے وہی حقوق
فلهم ما لنا وعليهم ما علينا	ہیں جو ہمارے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داری
ومن ابى فعليه الجزية	ہے جو ہم پر ہے اور جو اسلام سے انکار کرے
فى غير اكل لذبائحهم ولا	اس پر جزیہ ہوگا نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا
نكاح نسائهم[1]	اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔

اس دعوت پر ہجر کے عرب قبائل اسلام لائے اور یہود اور مجوس نے اپنے مذہب پر رہ کر جزیہ دینا منظور کیا،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں بھی صابئہ کو مجوس میں شامل کر کے ان سے بھی جزیہ وصول کیا گیا۔ امام حسن بصری اور امام حکم بن عتبہ کی تحقیق یہی ہے کہ صابئہ مجوس کے درجہ میں ہیں، امام مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ فرقہ صابئہ مشرکین کی ایک شاخ ہے جو یہود و نصاریٰ کے بین بین ہے، اور اس کے پاس کتاب نہیں ہے۔ امام اوزاعی کا قول ہے:

كل دين بعد الاسلام سوى	اسلام کے بعد یہودیت اور نصرانیت

---

[1] فتوح البلدان ص ۹۱

الیھودیۃ والنصرانیۃ — کے علاوہ جتنے ادیان ہیں سب مجوسیت
فھم مجوس [1] — ہیں۔

ان اقوال وتصریحات کا مطلب یہ ہے کہ مجوس، عرب کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے الگ ایک مستقل فرقہ ہے جس میں فرقہ صابئہ بھی شامل ہے اور اسلام اور یہودیت ونصرانیت کے بعد دوسرے تمام اہل مذاہب پر مجوس کا اطلاق ہوتا ہے، اور ان سے اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں جزیہ لیا جاتا ہے، چاہے وہ مشرک وبت پرست ہوں یا آتش پرست اور کواکب پرست ہوں، نہ ان کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے اور اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے ساتھ یہ دونوں باتیں جائز ہیں اور یہی حکم ان ہندوؤں پر بھی جاری ہوا جو بحرین، عمان اور ہجر وغیرہ میں تھے اور ایمان نہیں لائے تھے، ان کو مجوس اور صابئہ میں شمار کر کے ان سے بھی جزیہ وصول کیا گیا، اور ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز قرار پایا،

عرب کے ہندو مجوس اور صابئہ میں شمار کیے جاتے تھے، جیسا کہ شہرستانی نے لکھا ہے:

ومنھم من یمیل الی مذھب الثنویۃ — ہندوؤں میں سے کچھ مذہب ثنویہ کی طرف مائل ہیں،

دوسری جگہ لکھا ہے،

ثم الثنویۃ اختصت بالمجوس [2] — ثنویت مجوسیوں کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

واکثرھم علی مذھب الصابئۃ [3] — ہندوستان کے اکثر باشندے صابئہ کے مذہب پر ہیں۔

---

[1] کتاب الاموال ص ۵۴۵ و ۵۴۶۔ [2] الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۵۱، [3] ایضاً

ابن ساعد اندلسی نے طبقات الامم میں بھی عام ہندوستانیوں کو صابیہ ہی بنایا ہے:

واما الصابئة وهم جمهور الهند ومعظمها۔[1]	ہندوستان کے جمہور اور بڑی آبادی صابیہ ہے۔

ان تصریحات کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے ہندو نہ اہل کتاب تھے اور نہ مشابہ اہل کتاب، بلکہ مشرک تھے اور ان کو مجوس اور صابیہ میں شمار کیا جاتا تھا، یعنی نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز تھا، اور نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال تھا۔

---

[1] طبقات الامم ص ۱۱۵

رسولؐ اور صحابہؓ کی زبان پر ہندوستان کا نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں سے اچھی طرح واقف تھے، اور متعدد مواقع پر آپؐ کی زبان مبارک پر اس کا ذکر آیا ہے، امام ابن ابی حاتم رازیؒ امام ابو عبداللہ حاکمؒ، امام ابن جریر طبریؒ اور امام سیوطیؒ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے یہ روایت کی ہے، اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے:

ان اول ما اھبط اللہ آدم الی	حضرت آدمؑ سب سے پہلے سرزمین ہند میں
ارض الھند، وفی لفظ بدجنی	اتارے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ سرزمین
ارض الھند[1]	ہند کے دکھن میں اتارے گئے۔

علماء کا قول ہے کہ یہاں پر "دجنی" دکھن یا دکھنا کا معرب ہے، اور اس سے مراد سراندیپ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ پہلے مکہ میں بیت اللہ کی جگہ پر اتارے گئے تھے، پھر یہاں سے

[1] سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان از غلام علی آزاد ص ۲ طبع بمبئی۔

ہندوستان گئے،

فتخطی ناذا هو بأرض الهند — آدمؑ مکہ سے چل کر ہندوستان پہنچے اور جب
فمکث هنالک ماشاء الله ثم — تک اللہ نے چاہا وہاں رہے، پھر بیت اللہ کی
استوحش الی البیت[۱] — طرف لوٹ آئے،

مشہور تابعی عالم حضرت عطاء ابن ابی رباح نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے:

ان آدم هبط بأرض الهند — آدمؑ سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ان کے
ومعه اربعة اعواد من الجنة — ساتھ جنت کی چار شاخیں بھی تھیں، جن سے
فهی هذه التی یتطیب الناس — لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں، انھوں نے وہاں
بها وانه حج هذا البیت[۲] — سے بیت اللہ کا حج بھی کیا،

ہندوستان میں جہاد کرنیکی فضیلت و بشارت

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ہندوستان جانا پہچانا ملک تھا، بلکہ اس کے متعلق حضرت آدمؑ کی وجہ سے ایک گونہ احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا، اس سے بڑھ کر اہم روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی پیشن گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کو نار جہنم سے مامون و محفوظ ہونیکی بشارت دی ہے، امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لیے باب غزوۃ الہند کا مستقل عنوان قائم کیا ہے، اور امام طبرانیؒ نے معجم میں اس کی سند کو جید بتایا ہے، حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
عصابتان من امتی احرزهما — میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ

---

[۱] القری لقاصد ام القری، محب الدین طبری مکی ص ۲۲ طبع مصر [۲] ایضاً ص ۲۱

اللہ من النار، عصابۃ تغزو الھند	سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندستان
وعصابۃ تکون مع عیسیٰ بن	میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت
مریم علیھما السلام[1]	عیسیٰ بن مریم کا ساتھ دے گا۔

اسی بشارت نبوی پر حضرت ابوہریرہؓ نے ہندوستان کے جہاد میں شرکت کی آرزو اور جان و مال قربان کرنے کی پیش کش کی، چنانچہ مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے
غزوۃ الھند، فان ادرکتھا	غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا ہے، اگر میں اس میں
انفق فیھا نفسی ومالی، فان	شریک ہوسکا تو اپنا جان و مال اس میں قربان
اقتل کنت افضل الشھداء،	کروں گا، اور اگر مارا گیا تو بہترین شہید
وان ارجع فانا ابوھریرۃ	بنوں گا اور اگر زندہ واپس ہوا تو میں نار جہنم
المحرر[2]۔	سے آزاد ابوہریرہ رہوں گا،

ہندوستانیوں اور ہندوستانی چیزوں سے واقفیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہندوستان کے لوگوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے، بخاری میں مذکور ہے کہ حدیث معراج میں آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاٹوں سے تشبیہ دی، ترمذی میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جنات کو جاٹوں سے تشبیہ دی، اسی طرح سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب نجران سے بنی کعب کے لوگ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہندوستان کے آدمیوں سے تشبیہ دی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں، عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سی اشیاء کا استعمال عام تھا، ان کے نام اور خواص سے لوگ واقف تھے، کافور، زنجبیل، عود ہندی، عود، مشک

---

[1] سنن نسائی باب غزوۃ الہند، [2] سنن نسائی باب غزوۃ الہند، نیز یہ دونوں روایتیں مزید تفصیل کیساتھ سبحۃ المرجان ص ۱۲ پر موجود

قرنفل، فلفل، ہندی تیزے، ہندی تلوار، ہندی کپڑے وغیرہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کیے جاتے تھے، اور قرآن وحدیث میں ان کے نام موجود ہیں، غرض ہندوستان، یہاں کے باشندے اور یہاں کی چیزیں اس وقت عام طور سے مشہور ومتعارف تھیں، اور پڑوسی ملک ہونیکی حیثیت سے دونوں ملکوں میں مختلف قسم کے تعلقات تھے، اسی تعلق وتعارف نے ہندوستان میں اسلام کو بہت جلد متعارف کرایا، اور جانبین سے دینی وروحانی تعلقات بہت زیادہ استوار ہوگئے۔

ہندوستان کے باشندوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے واقفیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے مختلف علاقوں میں ہندوستان کے لوگ آتے جاتے تھے اور وہاں مستقل آباد بھی تھے، خود مکہ میں جوکہ اس زمانہ میں بہت بڑا مذہبی اور تجارتی مرکز تھا، اور قریشی تاجروں کی وجہ سے یمن اور شام کے درمیان تجارتی کاروبار کی منڈی تھا، ہندوستان کے تاجر اور صناع موجود تھے، چنانچہ ابوطالب کے ایک شعر میں ہندوستانی عورت کا نشان ملتا ہے، اور ابن مسعودؓ کی روایت میں جاٹوں کا ذکر ہے، اور بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ہندوستانی کاریگر تلواریں بناتے تھے، نیز عرب کے باشندے مشرق میں ہندوستان اور چین کا تجارتی سفر کرتے تھے، اسی طرح ہندوستان کے تاجر وصناع عرب میں آتے جاتے تھے، ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کا چرچا ہندوستان تک ہونا یقینی تھا خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آپؐ کی بعثت نے مکہ کے قریشی تاجروں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا، اور وہ بازاروں، موسمی میلوں اور حج کے مواقع میں آپؐ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے، ان مخالفانہ سرگرمیوں نے بہت سے غیر ملکوں میں آپؐ کی خبر پہنچائی، چنانچہ جب ایرانیوں کے بادشاہ کسریٰ کو آپؐ کے دعوائے نبوت کی خبر ملی تو اس نے اپنے یمن کے حاکم باذان کو آپؐ کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا، روم میں جب اس کی خبر پہنچی تو ہرقل نے قریش کے تاجر ابوسفیان سے

آپ کے بارے میں تحقیقات کی، اس طرح جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تو نجاشی کو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں معلومات ہوئیں، غرض مکی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت پڑوسی ممالک میں عام ہو گئی تھی، اس لیے یقین ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں بھی آپ کے بارے میں خبریں پہنچ چکی ہوں گی، مگر مستند تاریخوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ مکی زندگی ہی میں آپ کا چرچا ہندوستان میں بھی ہوا ہو، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ظاہر ہونے والے معجزۂ شق القمر کا مشاہدہ ہندوستان میں ہوا، اور اس کے نتائج بھی ظاہر ہوئے، مگر یہ بات بھی تاریخی اعتبار سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

البتہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد جب کفار و مشرکین سے باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور مسلمان کھل کر دعوت اسلام کو عام کرنے لگے تو روز بروز ممالک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہو گیا، اس کے بعد ہی ہندوستان کے بعض مذہبی طبقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا وفد بھیجا اور بعض راجوں اور مہاراجوں نے آپ کی خدمت میں ہدیے بھیجے، اس سلسلہ میں دو واقعات زیادہ مشہور اور مستند ہیں، ایک سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کا اس غرض سے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں اپنا وفد روانہ کرنا کہ وہ آپ سے براہ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اور دوسرا ہندوستان کے ایک راجہ کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدمت میں زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا، جسے آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور صحابۂ کرام کو بھی کھلایا۔

سرندیپ کا وفد

بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی چوتھی صدی ہجری کا مشہور جہاز راں اور سیاح ہے، وہ عرب سے ہندوستان اور چین تک جہاز رانی کرتا تھا، اس نے اپنی کتاب عجائب الہند میں یہاں کے ساحلی مقامات کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، اس نے سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحقیقاتی وفد جانے اور اس کے اثرات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وكان اهل سرنديب ماوالاها
لما بلغهم خروج النبي صلى الله عليه وسلم
فارسلوا رجلاً فهماً منهم وامروه
ان يسير اليه فيعرف امره وما
يدعو اليه فعاقت الرجل عوائق
ووصل الى المدينة بعد ان
قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم
وتوفي ابوبكر، ووجد القائم
بالامر عمر بن الخطاب رضي الله عنه
فسأله عن امر النبي
صلى الله عليه وسلم فشرح
له وبين۔

سرندیپ اور اس کے آس پاس کے لوگوں
کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور
کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے ایک سمجھ دار آدمی کو مدینہ
بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ آپ کے پاس جا کر
آپ کے حالات کی اور آپ کی دینی دعوت کی تحقیق
کرے، مگر اس آدمی کے سامنے کچھ مشکلات آگئیں
اور وہ اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے، بلکہ حضرت
ابوبکرؓ بھی وفات پا چکے تھے، اور حضرت عمرؓ بن الخطاب
خلافت پر متمکن تھے، اس لیے آپ ہی سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آپ نے
اس سے شرح و بسط کے ساتھ تمام باتیں بیان کیں۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ نمائندہ سرندیپ کے لیے بحری راستہ سے روانہ ہوا، مگر مکران کے قریب اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کے ساتھ ایک ہندوستانی نوکر تھا، وہ تنہا سرندیپ پہنچا، اس نے لوگوں سے پورا ماجرا بیان کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے، ان کے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ کا بھی انتقال ہو چکا ہے، اور اس وقت ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عمر بن الخطابؓ کو صاحب حکم وامر پایا، اس نے اہل سرندیپ سے حضرت عمرؓ کی تواضع اور خاکساری کا حال بیان کیا اور بتایا کہ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، اور مسجد میں بلا تکلف سو جاتے ہیں۔ اس کا اثر اہل سرندیپ پر بہت اچھا پڑا۔

فتواضعهم لاجل ماحكاه لهم
ذلك الغلام ولبسهم الثياب

سرندیپ کے لوگوں کی تواضع اور فروتنی کا سبب
وہی باتیں ہیں جن کو اس خادم نے بیان کیا تھا

المرقعة لماذكره من لبس عمر	اوران کا پیوند لگے کپڑے پہننا اس وجہ سے
رضی اللہ عنہ المرقعة وحبتھم	ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے
للمسلمین ومیلھم الیھم لما	میں بیان کیا تھا کہ انھوں نے ایسا کپڑا پہنا تھا
فی قلوبھم مما حکاہ ذلك	اوران کا مسلمانوں سے میل محبت رکھنا بھی اسی لیے
الغلام عن عمر رضی اللہ عنہ	ہے کہ غلام نے حضرت عمرؓ کی تواضع کا ذکر کیا تھا۔

اس وقت سے لیکر چوتھی صدی ہجری تک اہل سرندیپ اسلام اور مسلمانوں سے برابر محبت و تعلق رکھتے تھے، چنانچہ اس واقعہ کے آخر میں بزرگ بن شہر یار اپنے زمانہ کی بابت لکھا ہے:

وھم یحبون المسلمین ویمیلون	وہ لوگ مسلمانوں سے محبت رکھتے ہیں اور
الیھم میلاً شدیداً [1]	ان کی طرف بہت ہی زیادہ مائل ہیں۔

ان واقعات سے نہ صرف سرندیپ بلکہ اس کے آس پاس کے تمام علاقوں میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں کا پھیلنا قرین قیاس ہو جاتا ہے، ہندوستان اور چین میں عربوں کی تجارت عام تھی، اور یہاں ان کے بحری سفر برابر ہوا کرتے تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ہندوستان سے گزر کر چین تک پہنچ چکی تھی،

غالب گمان ہے کہ سرندیپ کا مذکورۂ بالا وفد یہاں کے بیکور، یا بکرنتیہ، یا بکر جین نامی فرقہ کی طرف سے مدینہ منورہ بھیجا گیا ہوگا، یہ لوگ عام طور سے ننگے رہتے تھے، اور آگے پیچھے معمولی سا کپڑا باندھ لیتے تھے، جاڑے میں بدن پر چٹائی لپیٹ لیتے تھے، بعض رنگ برنگ کے کپڑوں کی جوڑ دار دھوتی پہنتے تھے، شمشان کی راکھ بدن پر ملتے تھے، سر اور داڑھی کے بال نہیں رکھتے تھے، مُردوں کی کھوپڑی میں کھانا کھاتے تھے، تاکہ دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہو، جب عرب

---

[1] عجائب الہند ص ۱۵۷ طبع لیدن

کے تاجروں یا دوسرے ذرایع سے ان سنیاسیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے تحقیق حال کے لیے اپنی جماعت کے ایک آدمی کو بھیجا، ان کے مسلمان ہونے کی روایت تو نہیں ملتی لیکن وہ اسلام کے بعض اثرات سے پوری طرح متاثر ہوئے، اگر ان کا آدمی صحیح وسلامت واپس جاتا اور وہ اس کے ذریعے سے اسلامی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ سنتے تو آج سرندیپ اور جنوبی ہند کا دینی نقشہ غالباً کچھ اور ہی ہوتا، ان کی اسلام سے اس عقیدت کے نتیجہ میں عرب کے مسلمان تاجر سرندیپ میں مستقل آباد ہوکر متاہل زندگی بسر کرنے لگے تھے، انہی عربوں کی عورتوں اور بچوں کو وہاں کے راجہ نے ایک جہاز میں عرب بھیجا تھا جس کو سندھ کے اطراف کے میدیعنی سمندری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا، اور عرب عورتوں کو گرفتار کرلیا تھا، جس کے انتقام میں محمد بن قاسم ثقفیؒ نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا،

ہندوستانی راجہ کا ہدیہ ہندوستان کے بڑے بڑے راجے اپنے پڑوسی بادشاہوں کے پاس ہدیے بھیجکر ان سے تعلقات قائم کرتے تھے، کسریٰ کے پاس راجہ دہر وغیرہ کے ہدایا وتحائف بھیجنے کا تذکرہ قاضی رشید بن زبیر نے کتاب الذخائر والتحف میں کیا ہے، ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور آپؐ سے واقفیت عرب کے اطراف وجوانب میں ہوئی تو ہندوستان کے مذہبی طبقہ کی طرح یہاں کے حکمراں طبقہ نے بھی ہدیہ اور تحفہ بھیجکر آپؐ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا، اور آپؐ سے تعلقات پیدا کرنے کی صورت نکالی، چنانچہ مشہور محدث امام ابوعبداللہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے:۔

اهدى ملك الهند الى	ہندوستان کے راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ
رسول الله صلى الله عليه وسلم	علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ) کا
جرة فيها زنجبيل فاطعم	ایک گھڑا بھیجا، آپ نے صحابہ کو اس کا
اصحابه قطعة قطعة واطعمني	ایک ایک ٹکڑا کھلایا اور مجھے بھی اس کا

منها قطعة — ایک ٹکڑا کھلایا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا، چنانچہ اس روایت کے آخر میں امام حاکم نے لکھا ہے:

قال الحاکم: لم اخرج من اول	میں نے اس کتاب کے شروع سے یہاں تک
هذا الکتاب الی هذا للعلی بن زید	اس حدیث کے سوا علی بن زید بن جدعان سے ایک
بن جدعان حرفاً واحداً ولم	حرف بھی روایت نہیں کیا ہے، اور اس حدیث کے
احفظ فی اکل رسول اللہ	علاوہ کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم	کے زنجبیل تناول فرمانے کے سلسلے میں مجھے یاد
الزنجبیل سواہ فخرجته[1]	نہیں ہے اس لیے اس کو بیان کیا ہے۔

امام ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس حدیث کے راوی عمرو بن حکام تلمیذ امام شعبہ پر کلام کیا ہے۔

رجال و اسناد پر کلام کرنا محدثانہ بحث ہے، تاریخی اعتبار سے یہ روایت معتبر اور مستند ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زنجبیل کا ہدیہ روانہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ ہدیہ راجہ کے کسی خاص قاصد کے ذریعہ بھیجا گیا ہوگا، جس نے مدینہ منورہ جاکر خدمت نبوی میں اسے پیش کیا ہوگا، راجہ کی طرف سے محبت و عقیدت کا پیغام پہنچا ہوگا اور اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راجہ اور اس کے قاصد کے ساتھ نیک سلوک فرمایا ہوگا، جیسا کہ عام دستور ہے، غالباً ہجرت کے بعد خدمت نبوی میں ہندوستان کے راجہ کا یہ ہدیہ پہنچا ہے، جب آپ کی بعثت اور اسلام کی شہرت عام ہو چکی تھی، اور آس پاس پڑوس کے ممالک میں آپ کا چرچا ہو چکا تھا۔

باقی رہا یہ سوال کہ یہ ہدیہ کس راجہ نے بھیجا تھا، اور وہ کس علاقہ کا حکمراں تھا، تو اس

---

[1] المستدرک ج ۴ ص ۱۳۵، طبع حیدرآباد

کی تعین نہیں ہو سکی، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں قنوج کے راجہ سرباتک کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس حذیفہ، اسامہ اور صہیب رضی اللہ عنہم کو اسلام کا دعوت نامہ دیکر بھیجا تھا، اور اس نے اسلام کی دعوت قبول بھی کرلی تھی، مگر یہ روایت خود حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبیؒ کی تصریحات کے مطابق قابل اعتماد نہیں ہے، ورنہ یہ قیاس کیاجا سکتا تھا کہ راجہ سرباتک ہی نے اسلام قبول کرنے کے بعد خدمت نبوی میں زنجبیل کا نذرانہ پیش کیا، ممکن ہے کہ سرندیپ کے راجہ نے وہاں کے سنیاسیوں کی طرح آپ سے تعلق پیدا کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی ہو، بنگال کے راجگان رہمی، شاہان ایران کے پاس قدیم زمانہ سے گراں قدر ہدایا و تحائف بھیجا کرتے تھے، ہو سکتا ہے کہ اسی خاندان کے کسی راجہ نے خدمت نبویؐ میں بھی ہدیہ بھیجا ہو،

ابن قیم نے زاد المعاد میں اس واقعہ کو ابونعیم کی کتاب الطب النبوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے اور بعض الفاظ میں بھی معمولی سا فرق ہے[1] امام ابوعبداللہ حاکم اور ان کی کتاب المستدرک میں اور امام ابونعیم اصفہانی اور ان کی کتاب الطب النبویؐ میں بڑا فرق ہے، مستدرک کا درجہ الطب النبویؐ سے بدرجہا بلند ہے، پھر زنجبیل خالص ہندوستانی چیز ہے، اور قدیم زمانے سے یہاں کے راجے مہاراجے اطراف کے بادشاہوں کے پاس اس کا ہدیہ بھیجا کرتے رہے ہیں، اس لیے کسی رومی بادشاہ کا زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے،

سرباتک راجۂ قنوج اور رتن ہندی کی حقیقت

پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک صحابہ کرامؓ کے وجود باجود سے دنیا خالی ہو گئی تھی، جس پر تاریخ شاہد ہے، اس کے باوجود بعد میں چند ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۲۲۵ مطبع محمد علی صبیح مصر

اس قسم کے دو شخص ہندوستان میں بھی گذرے ہیں، ایک سرباتک راجہ قنوج، اور دوسرے بابا رتن ہندی، ان دونوں نے اپنے زمانہ میں صحابیٔ رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور آپؐ سے ملاقات کے واقعات بیان کیے ہیں، بلکہ رتن ہندی کی کچھ بیان کردہ روایتیں بھی ہیں جو [illegible] ... یات کے نام سے ایک زمانہ میں صوفیہ کے ایک طبقہ میں مقبول و متداول تھا۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اور ابن حجر نے اصابہ میں سرباتک کا تذکرہ کیا ہے، ابن حجر نے سرباتک کے دعویٔ صحابیت کا شد و مد سے رد کیا ہے، پہلے ابو موسیٰ کے ذیل کے حوالے سے اسحٰق بن ابراہیم طوسی کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے ہندوستان کے راجہ سرباتک کو قنوج نامی شہر میں دیکھا ہے، میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس وقت تمہاری عمر کیا ہے، اس نے بتایا کہ میری عمر سوا سات سو سال کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو بھیجا، اور انھوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں نے اسلام قبول کر لیا،

پھر ابو حاتم احمد بن حامد بلوی کے واسطہ سے ابو سعید مظفر بن اسد حنفی طبیب کا یہ بیان نقل کیا ہے :-

سمعت سرباتك الهندى	میں نے سرباتک ہندی کو کہتے ہوئے سنا ہے
يقول رأيت محمداً صلى الله عليه وسلم	کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ مکہ
مرتين بمكة ومالمد ينة مرةً،	میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں دیکھا ہے، آپؐ
وكان احسن الناس وجهاً،	تمام انسانوں سے زیادہ خوبصورت اور میانہ
ربعة من الرجال .[1]	قد کے تھے،

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے حافظ ذہبی کا قول نقل کر کے اس کو جھوٹ قرار دیا ہے،

قال الذهبي فى التجريد هذا كذب	ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں کہا ہے کہ یہ
واضح وقد غذ لابن الاثيران	کھلا ہوا جھوٹ ہے اور ابن اثیر نے ابن مندہ کا اس کا

[1] الاصابہ جلد ۲ ص ۱۲۱

مندۃ فی ترکہ اخراجہا (حاشیہ) تذکرہ نہ کرنے پر معذور قرار دیا ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ۳۳۳ھ میں سر بانک کا انتقال ہوا، اس وقت اس کی عمر ۹۴۸ برس کی تھی، علامہ محمد طاہر گجراتی نے تذکرہ الموضوعات میں سر بانک کو معمرین کذابین کی فہرست میں داخل کرکے اصابہ کی عبارت نقل کی ہے، اسی طرح صاحب نزہۃ الخواطر نے اصابہ کی عبارت نقل کر دی ہے، میں نے رتن رجال السند والہند میں اسی کو نقل کرکے لکھا ہے کہ سر بانک نامی شخص کے وجود میں شبہ نہیں، جس طرح اس کے دعوائے صحابیت کے کذب میں کوئی شبہ نہیں۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں رتن ہندی کا تذکرہ کرکے اس کے دعوائے صحابیت کے خلاف علمائے رجال و تواریخ کی تصریحات نقل کی ہیں اور تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔[1]

نزہۃ الخواطر میں بحر زخار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوالرضا رتن پنجاب کے شہر بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے جب سن رشد کو پہنچے تو مرشد کامل کی تلاش ہوئی، اسی اثناء میں ان کو معلوم ہوا کہ ملک عرب میں ایک شخص نے اللہ کی طرف سے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، یہ سن کر مکہ مکرمہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کیا اور آپ سے فیض حاصل کرکے ہندوستان واپس آئے، اس کے بعد چھ سو سال سے زائد زندہ رہے، انھوں نے الرسالۃ الرتنیہ نامی کتاب بھی لکھی ہے، جس میں بغیر سند کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا ہے، رتن ہندی کی تصدیق شیخ علاء الدین سمنانیؒ، خواجہ محمد پارساؒ، شیخ رضی الدین لالاؒ جیسے مشائخ نے کی ہے، چھٹی صدی کے بعد ان کا انتقال ہوا، اور بھٹنڈا میں انکی قبر ہے۔[2]

شیخ صلاح الدین صفدی اور شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے بھی رتن ہندی کے وجود کی تصدیق کی ہے، صفدی نے اسے عقلاً جائز قرار دیکر علامہ ذہبی کے انکار کی مخالفت کی ہے اور فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ میں رتن ہندی کے وطن میں جا چکا ہوں، بے شمار لوگوں میں نسلاً بعد نسلٍ انکا تذکرہ نقل ہوتا چلا آتا ہے، رتن ہندی نے اپنی کتاب میں تین سو سے زائد

---

[1] الاصابہ جلد ۲ ص ۱۲۱ [2] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۴۷

احادیث بیان کی ہیں، جن کا اکثر حصہ واہی تباہی باتوں پر مشتمل ہے۔[1]

مورخین اور علمائے رجال کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سب سے آخری صحابی ہیں جو ایک روایت کے مطابق ۱۱۰ھ میں دنیا سے تشریف لے گئے، ان کے بعد دنیا کی آنکھ کسی صحابی رسول کو نہیں دیکھ سکی، صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا:

فانه على راس مائة سنة	تم میں سے جو لوگ آج روئے زمین پر موجود
منها لا يبقى على وجه الارض	ہیں ایک صدی گذرتے گذرتے ان میں سے
ممن هو اليوم عليها احد	ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔

شرعی اور تاریخی نقطۂ نظر سے راجہ سرباتک یا رتن ہندی کی صحابیت ثابت نہیں ہے اور ان کا شمار ان لوگوں میں بھی نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یا مدرک تھے، محض اس کا عقلی جواز اور مشائخ کی باطنی شہادت اس کے تاریخی ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔

---

[1] رتن ہندی کی پوری تفصیل کے لیے الاصابہ ج ا ص ۵۱۵ تا ۵۲۰ مطبع مصطفےٰ محمد مصر ملاحظہ ہو۔

عہدِ رسالت میں ہندوستانی اشیاء کا استعمال

عہدِ رسالت میں عرب میں ہندوستان کی بہت سی چیزوں کا عام استعمال تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ان کو استعمال کیا ہے، خوشبوؤں میں مشک، عود، اور کافور، مسالوں میں فلفل (مرچ) قرنفل (لونگ) اور زنجبیل (ادرک سونٹھ) کپڑوں میں ہندوستان اور سندھ کے بنے ہوئے ہر قسم کے کپڑے اور چادریں، اسلحۂ جنگ میں ہندی تلواریں اور نیزے، دواؤں میں کست ہندی، لکڑیوں میں ساگوان، یہ سب روزمرہ کے استعمال کی چیزیں تھیں، ان کے علاوہ خاص خاص ہندوستانی چیزیں بھی رائج تھیں، بعد میں جب عرب و ہند کے تعلقات بڑھے اور مسلمانوں نے ایک پڑوسی ملک کی حیثیت سے ہندوستان کے ساتھ دینی، اسلامی، اور ثقافتی روابط بڑھائے تو عرب میں یہاں کی مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ اور بہت سی اشیاء کی بہتات ہوگئی، ہم یہاں پر عہدِ رسالت اور اس کے قریب تر زمانہ کی چند چیزیں بیان کرتے ہیں جو عرب میں استعمال ہوتی تھیں،

لغوی اور لسانی توارُد

قدیم زمانے سے دنیا میں بولے جانے والی زبانوں میں کئی ایسے الفاظ ہیں جو ہفت اقلیمی ہیں، اور معمولی معمولی فرق کے ساتھ دنیا کی تقریباً ہر زندہ زبان میں مستعمل ہیں، ایسے لفظوں کے بارے علمائے لسانیات کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ابتداء میں وہ کسی ایک زبان کے الفاظ تھے اور بعد میں دوسری زبانوں نے ان کو لے لیا بلکہ وہ ایسے عالمگیر الفاظ کو پوری دنیا کی زبانوں کا مشترک سرمایہ کہتے ہیں جو ہر زبان

میں لب ولہجہ کے فرق اور مقامی اثر کے ساتھ اسی زبان کے بنکر استعمال کیے جاتے ہیں۔

اس کی بہترین مثال عربی کے لفظ قسط کی ہے جو خود عرب میں مختلف لب ولہجہ میں مستعمل ہوتا ہے اور قُسط، کُشت اور کُسبت بھی کہلاتا ہے، اسی کو ہندی میں کُٹ، کوکھٹ اور کُٹھ کہتے ہیں، نیز یہی یونانی میں قرسطیس، سریانی میں قوشتا، فارسی میں کوشتہ اور انگریزی میں کسٹ کہلاتا ہے،

یہی حال عربی کے لفظ زنجبیل کا ہے کہ ہندی میں اسے زنجابیرا، سریانی میں زنکبیل، فارسی میں شنکویر، اور انگریزی میں جنجر کہتے ہیں [1]

اسی طرح اور بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو معمولی فرق کے ساتھ دنیا کی اکثر زبانوں میں مشترک ہیں، اور ان کو کسی ایک زبان کا لفظ نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اسے لسانی توارد کا نتیجہ قرار دیا جائے گا۔

قرآن حکیم میں بھی کچھ ایسے الفاظ آئے ہیں جو عربی زبان کی طرح ہندی، فارسی، حبشی، نبطی اور سریانی زبانوں میں مستعمل ہیں ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ لغوی توارد اور لسانی اشتراک ہے، امام ابن جریر طبریؒ کی یہی رائے ہے، جیسا کہ امام سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے:

.... وقال ابن جریر ما ورد عن ابن عباس وغیرہ من تفسیر الفاظ من القرآن أنها بالفارسیة والحبشیة والنبطیة أو نحو ذلك، إنما اتفق فیها توارد اللغات فتكلمت بها العرب والفرس والحبشة بلفظ واحد [2]	امام ابن جریرؒ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے قرآن کے بعض الفاظ کی تفسیر میں جو کہ مروی ہے کہ یہ فارسی، حبشی اور نبطی وغیرہ زبانوں کے الفاظ ہیں تو ان میں لغات کا توارد ہوگیا ہے اور عرب، فارس اور حبشہ کے لوگوں نے ایک ہی لفظ کو استعمال کیا ہے۔

اس دعوی کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ایسے مشترک اور متوارد الفاظ عربی زبان میں اس کے پورے قاعدے کے مطابق استعمال ہوتے ہیں، اور ان کے صیغے اور مشتقات ہوتے ہیں

---

[1] محیط اعظم ج ۴ ص ۳۰۰ و ج ۲ ص ۸۰۱، [2] الاتقان ج ۱ ص ۱۳۶

مثلاً فُلفُل اسم جنس ہے واحد فُلفُلہ اور اس کی تصغیر فُلیفلہ ہے، فعل رباعی فُلفُلَ اور تَفَلفُلَ آتا ہے، شراب مُفَلفَل اور رز مُفَلفَل اس شراب اور چاول کو کہتے ہیں جس میں فلفل یعنی مرچ پڑی ہو، قَرنفل اور قَرنفُول دو طرح بول کر واحد قرنفلا اور قَرنفولہ بناتے ہیں اور طعام مُقَرفل اس کھانے کو کہتے ہیں جس میں فلفل یعنی مرچ پڑی ہو اسی طرح مسک کے ایک ٹکڑے کو مسکہ کہہ کر اس کی جمع مِسَک لاتے ہیں اور کافور کی جمع کوافر اور کوافیر استعمال کرتے ہیں،

کافور، مشک اور زنجبیل کا ذکر قرآن میں

قرآن حکیم میں اس طرح کے تین مشترک اور متوارد الفاظ آئے ہیں جو ہندوستان اور عرب میں مقامی لب و لہجہ کے فرق کے ساتھ بولے جاتے تھے، ایک زنجبیل جسے ہندی میں زنجابیرا کہتے ہیں، دوسرا مسک جو ہندی میں موشکا کہلاتا ہے اور تیسرا کافور جسے ہندی میں کپور کہتے ہیں، نہ ان کی تعریب ہوئی ہے اور نہ تہنید، بلکہ دونوں زبانوں کے یہ الفاظ اصلی ہیں اور ان کو مستقل حیثیت حاصل ہے، البتہ ان ناموں کی جو چیزیں ہیں وہ خاص ہندوستانی ہیں اور یہیں سے عرب میں جاتی تھیں، ان اسماء و اشیاء کے لیے قرآنی الفاظ بننا بڑے فخر کی بات ہے، پھر مزید برآں یہ کہ جنت کے نعائم و لذات میں ان کو خاص مقام حاصل ہے، یعنی جنت کی یہ نعمتیں اور لذتیں دنیاوی نعمت و لذت کے انداز میں ہندوستان کو حاصل ہیں، اور اس کی خبر قرآن حکیم نے دی ہے، جنت کے پاکیزہ، لذیذ اور آسودگی بخش مشروبات کے بیان میں قرآن میں ہے کہ :

(۱) اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۔	نیک لوگ پئیں گے ایسا پیالہ جس کی آمیزش کافور کی ہوگی،
(۲) وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۔	اور ان کو جنت میں پلایا جائے گا ایسا پیالہ جس کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی،
(۳) يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ	ان کو پلائی جائیگی ایسی خالص پاکیزہ شراب

خِتَامُہٗ مِسْكٌ ۔ جس کی مہر مشک کی ہوگی ۔

احادیث میں ہندوستانی اشیار کا ذکر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ہندوستان، ہندوستانی اشیار اور ہندوستانی باشندوں کے تذکرے مختلف انداز میں پائے جاتے ہیں، اور زبان رسالت پر ان کے اسمار و الفاظ آئے ہیں جیسا کہ پہلے معلوم ہوچکا ہے اور آئندہ بھی معلوم ہوگا، البتہ ہندی زبان کا کوئی جملہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے منقول نہیں ہے، جبکہ فارسی کے بعض جملے احادیث میں ملتے ہیں جن کو آپ نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمایا ہے، البتہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ میں ہندی زبان عرب میں آیا د ہندوستانیوں میں رائج تھی جسے بعض صحابہ کرام بھی سمجھتے تھے، چنانچہ مجمع البحرین کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ جاٹوں اور اساورہ نے حضرت علیؓ سے ہندی میں بات کی، اور آپ کی خلافت وحکومت کا ساتھ دینے کا یقین دلایا،

اب ہم ہندوستان کی ان چند چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو عہد رسالت میں عرب میں رائج تھیں اور جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ استعمال کرتے تھے، یا آپ نے ان سے منع فرمایا ہے۔

مشک

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طیب ومتطیب تھے، اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے، اس دنیا کی جن چیزوں سے آپ کو خاص رغبت تھی ان میں سے ایک خوشبو بھی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ جب باہر جاتے تو خوشبو سے معلوم ہوجاتا کہ آپ ادھر سے گذرے ہیں، خوشبوؤں میں مشک آپ کی محبوب ترین خوشبو ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے مشک کا تذکرہ آیا تو آپؐ نے فرمایا:

أَوَلَيْسَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيبِ[1] کیا مشک تمام خوشبوؤں سے پاکیزہ خوشبو نہیں ہے؟

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۹۹ ۔

احادیث میں متعدد مواقع پر مشک کا تذکرہ آیا ہے، مثلاً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے:

ورشحهم المسك — ان کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا،

شہید کے بارے میں فرمایا ہے:

لونه لون دم، وريحه مسك[1] — شہید کے خون کا رنگ تو خون ہی جیسا ہوگا مگر اس کی مہک مشک جیسی ہوگی

روزہ دار کے بارے میں فرمایا ہے:

لخلوف فم الصائم اطيب عند الله يوم القيامة من ريح المسك[2] — روزہ دار کے منہ کی مہک قیامت کے دن اللہ کے یہاں مشک کی مہک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگی،

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

نعم بذكارة الطيب المسك والعنبر[3] — ہاں آپ مشک اور عنبر کی خوشبو استعمال فرماتے تھے،

ایک روایت ہے کہ راوی کے سوال پر حضرت عائشہؓ نے ذکارۃ الطیب کا نام لیا اور جب راوی نے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپؓ نے مشک اور عنبر کا نام لیا۔[3]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم سكة يتطيب منها[4] — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سُکّہ نامی ایک خاص قسم کی خوشبو لگاتے تھے۔

ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں سُکّہ کا مطلب یوں لکھا ہے:

هو ضرب من الطين يتخذ من مسك — سکہ ایک قسم کی مٹی ہے جو مشک اور رامک نامی

---

[1] صحیحین وغیرہ [2] سنن نسائی اور تاریخ کبیر بخاری، [3] طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۹۹، [4] شمائل ترمذی وطبقات ابن سعد ا ص ۳۹۹

وہ املک وھو نوع عصیر [1]	ایک تیل کی آمیزش سے بنائی جاتی ہے۔

ایک روایت میں ہے:

کان یاخذ المسك فیمسح به رأسه ولحیته [2]	آپ مشک کو سر اور داڑھی میں لگاتے تھے،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشک کو خود بڑی رغبت سے استعمال فرمایا ہے اور دوسروں کو اس کے استعمال کی ترغیب دی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

من خیر طیبکم المسك، المسك أطیب الطیب [3]	تمہاری خوشبوؤں میں سے سب سے بہتر خوشبو مشک ہے، مشک بہترین خوشبو ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشک کا ہدیہ بھی دیا ہے چنانچہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو آپ نے چند اواقی مشک اور حلہ کا ہدیہ روانہ فرمایا تھا، مگر نجاشی کی وفات کی وجہ سے وہ ہدیہ واپس آگیا، اور آپ نے اس میں سے ایک ایک اوقیہ مشک تمام ازواج مطہرات کو دیکر باقی حضرت ام سلمہؓ کو دے دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں وہی مشک استعمال کیا گیا جو آپ کے پاس موجود تھا اور جس سے آپ زندگی میں خوشبو لگاتے تھے:

کان عند علی مسك، فأوصى ان یحنط به، قال، وقال علی هو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم [5]	علیؓ کے پاس مشک تھا، آپ نے اسی سے خوشبو لگانے کی وصیت فرمائی تھی، علیؓ کا بیان ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال سے بچی ہوئی خوشبو تھی،

عام طور سے صحابہ کرامؓ بھی مشک کا استعمال کرتے تھے، مشہور تابعی حضرت ضحاک بن مزاحم کو مشک کے استعمال میں توقف تھا تو ان سے لوگوں نے کہا،

ان أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مشک کی

---

[1] جمع الوسائل ص ۲۰۳، [2] کنز العمال، کتاب الشمائل ج ۴ ص ۴۴، [3] کنز العمال کتاب الزینۃ ج ۳ ص ۲۴۳

[4] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۵، [5] الفیاج ۲ ص ۲۸۸،

كانوا يتطيبون به، [1] — خوشبو استعمال کرتے تھے،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشک کی خوشبو پسند کرنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نزدیک مرغوب ترین خوشبو بن گیا، اور وہ اسے سنت سمجھ کر استعمال کرنے لگے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک معتزلی عالم نے نافۂ مشک کے بارے میں سنا کہ وہ خون ہوتا ہے تو کہا:

لولا النبي صلى الله عليه وسلم قد تطيب بالمسك ما تطيبت، [2] — اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشک استعمال نہ فرمایا ہوتا تو میں اسے استعمال نہ کرتا،

عہد رسالت میں اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں عود، مشک، کافور اور دیگر خوشبوؤں کا استعمال اس کثرت سے ہوگیا کہ دارین کے مشک اور عطر کے تاجروں کی ایک بہت بڑی جماعت مدینہ میں آباد ہوگئی جو صرف خوشبوؤں کی تجارت کرتی تھی، دارین ہند وستانی مشک کی خصوصی منڈی تھا، یہاں تک کہ اس کی نسبت سے مشک کو صرف داری کہتے تھے، مدینہ میں دارین کے مشک فروشوں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ واقعہ حرّہ میں ۶۳ھ میں مُسرف بن عقبہ مُرّی نے شام سے مدینہ پر چڑھائی کی اور مدینہ کے مشرق میں حرّہ واقم میں اُترا تو اہل مدینہ کے ساتھ دارین کے چار سو مشک فروش اور عطار بھی شامی فوج کے مقابلے کے لیے نکلے،

وأُخرِج جميع أهل المدينة، حتى اربع مائة رجل من اهل البحرين من اهل دارين، كانوا عطارين، فقالوا مالنا وهذا، إنما نحن تجار، فابوا إلا إخراجهم ۔

تمام اہل مدینہ مقابلہ کے لیے نکالے گئے، حتی کہ بحرین کے شہر دارین کے چار سو عطر فروش بھی مقابلہ پر لائے گئے، انھوں نے پہلے کہا کہ ہمیں اس جنگ سے کیا نسبت، ہم تو تاجر ہیں! مگر مجبوراً ان کو بھی نکالا گیا،

اہل مدینہ نے ان کا جھنڈا الگ بنایا تھا، یہ لوگ پہلے ہی حملہ میں نہ ٹک سکے اور میدان سے

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۵، [2] لسان العرب ج ۵ ص ۱۲

چلتے بنے، مگر انھوں نے بڑی چالاکی سے اپنا جھنڈا میدان میں نصب کر کے چاروں طرف پتھروں سے اسے روک دیا تھا، اور ان کے بعد بھی وہ اپنی جگہ لہراتا رہا جس سے شامی فوج سمجھتی تھی کہ اہل مدینہ جم کر مقابلہ کر رہے ہیں، اس طرح سے بہت سے شامی آگے بڑھے اور مارے گئے، آخر میں مسرف بن عقبہ نے پوچھا کہ یہ جھنڈا کس جماعت کا ہے۔

فیقال لله ان بنی العطارین	تو لوگوں نے کہا کہ دارین کے عطاروں کا ہے، اس نے
فیقول مالی وللعطارین لہ	کہا مجھے ان عطاروں سے کیا تعلق ہے؟

مسرف بن عقبہ نے بعد میں ان عطاروں کی شکایت یزید کے پاس لکھی تو اس نے بحرین کے حاکم کو ان کے بارے میں لکھا، جس نے اہل دارین پر چار لاکھ درہم جرمانہ کیا، [1]

مدینہ میں دارین کے مشک فروشوں کی جمعیت اور ان کے چار لاکھ درہم تاوان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مدینہ میں مشک کی تجارت کس قدر زیادہ اور کتنی نفع بخش تھی، اور یہ کہ اس کا استعمال کس قدر عام تھا،

عود اور کافور

عود یعنی اگر بھی جنتی خوشبو ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے اوصاف میں فرمایا ہے۔

ومجامرھم الألوّة [2]	ان کی انگیٹھیاں عود کی ہونگی،

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عود اور کافور کی ملی جلی خوشبو بہت پسند تھی اور ان کو انگیٹھی میں سلگا کر ان کا بخور استعمال فرماتے تھے:

کان یستجمر بألوّة غیر مطراة	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عود کا بخور استعمال
وبکافور یطرحه مع الألوة [3]	کرتے تھے اور عود کے ساتھ کافور بھی ڈالتے تھے،

نہایہ ابن اثیر میں ہے کہ الوّہ وہ عود ہے جس سے استجمار کیا جائے یعنی اس کا بخور استعمال کیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب خوشبو سلگاتے تو عود کے اوپر کافور بھی ڈالتے

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ج ۴ قسم دوم ص ۳۴ طبع یروشلم۔ [2] مسلم [3] کنز العمال کتاب الشمائل ج ۴ ص ۳۔ طبقات ابن سعد ج ۱

اور فرماتے :

هكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستجمر[1] — اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بخور استعمال فرماتے تھے،

ایک مرتبہ مال غنیمت میں حضرت عمرؓ کے پاس عود آیا چونکہ بہت زیادہ نہیں تھا، اس لیے آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں سلگاؤ کہ عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں، اس کے بعد سے مسجد نبوی میں عود کی خوشبو جلانا خلفاء کی سنت کی بن گئی اور کئی صدیوں تک اس کا رواج رہا،[2]

لونگ، مشک اور عود کا ہار

عرب میں قدیم زمانہ سے بچوں اور عورتوں کے لیے سخاب نامی خاص خوشبوؤں کا ہار بنایا جاتا تھا، جس میں قرنفل (لونگ) عود (اگر) اور مشک وغیرہ کو بڑے سلیقہ سے استعمال کیا جاتا لونگ کے دانے بھگو کر سوئی سے دھاگے میں پروئے جاتے اور عود کی لکڑی بھی گوندھی جاتی، موتی یا اور کوئی پتھر وغیرہ نہیں ہوتا، عام طور سے اس ہار کی لمبائی گردن سے ناف تک ہوتی، چونکہ خشک ہونے کے بعد لونگ کے دانوں اور عود کے ٹکڑوں کی حرکت سے آواز پیدا ہوتی تھی اس لیے اس ہار کو سخاب کہتے تھے اس کا استعمال زینت سے زیادہ خوشبو کے لیے ہوا کرتا تھا[3] حدیث میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اسے پہنائے جانے کی تصریح موجود ہے،

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سوق قینقاع سے لوٹے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ کے مکان پر جا کر حضرت حسنؓ کو دریافت فرمایا، جب حضرت حسنؓ کے باہر آنے میں دیر لگی تو ہم لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت فاطمہ ان کو نہلا دھلا کر سخاب پہنا رہی ہیں،

فظننا انه إنما تحبسه امه لان — جب دیر ہوئی تو ہم نے خیال کیا کہ ان کی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۰۰ ، [2] الدرۃ الثمینۃ فی تاریخ المدینۃ برحاشیہ شفاء الغرام ج ۲ ص ۳۵۱ ، [3] نووی شرح مسلم

تغسله وتطيبه وتعلقه سخابا[1]   (والدہ نے انکو دھک یا ہے تاکہ نہلا دھلا کر سخاب پہنا دیں)

امام نووی نے لکھا ہے کہ سخاب ایک ہار ہے جو لونگ، مشک اور عود سے تسبیح کی طرح بناکر بچوں اور بچیوں کے گلے میں پہنایا جاتا،

زنجبیل | زنجبیل کو تر ہو تو ادرک اور خشک ہو تو سونٹھ کہتے ہیں یہ بھی جنت کی لذتوں میں سے ہے، المستدرک میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک ہندوستانی راجہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل ہدیہ میں بھیجا تو آپؐ نے صحابہؓ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا دیا، چنانچہ مجھے بھی ایک ٹکڑا عنایت فرمایا[2]

ابن قیمؒ نے بھی زادالمعاد میں ابونعیم اصفہانی کی کتاب الطب النبوی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے[3] بہرحال دونوں روایتوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زنجبیل تناول فرمانے کی تصریح ہے،

حاکمؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کی تصریح نہیں ملی ہے،

کست ہندی | ہندوستان کی مشہور دوا جو لکڑی کی قسم سے ہے، یہاں کُٹھ کہلاتی ہے، اور عرب میں اسے قُط، قسط، کُست اور کُشت کہتے ہیں، اسی کو بعض احادیث میں عود ہندی یعنی ہندوستانی لکڑی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اس کے ذریعہ علاج عہد رسالت میں نہ صرف عام تھا بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیب ہندی دوا کے استعمال کی بار بار ترغیب دی ہے، صحیح بخاری میں اسی کو عنوان بناکر ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے: باب السعوط بالقسط الهندی البحری وهو الكُست

اسی باب میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام قیس بنت محصنؓ کو بچوں کے جسم اور گلے کی بیماری میں قسط ہندی کے استعمال کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی ہے:

---

[1] صحیح مسلم، [2] المستدرک ج ۴ ص ۱۳۵، [3] زادالمعاد ج ۳ ص ۲۳۵،

عليكم بهذا العود الهندى،	تم لوگ اس ہندوستانی لکڑی کو خاص طور
فان فيه سبعة اشفية، ليتعط	سے استعمال کرو، کیوں کہ اس میں سات بیماریوں
به من العذرة، ويلد به من	سے شفا ہے، گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی
ذات الجنب، [1]	جاتی ہے، اور ذات الجنب کی بیماری میں پلائی جاتی ہے۔

یہی روایت صحیح مسلم میں حضرت ام قیس سے تفصیل کے ساتھ مروی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

علام تدغرن اولادكن بهذا	تم اپنی اولاد کو اس جونک کو لگا کر کیوں ڈراتی ہو
الاعلاق، عليكن بهذا العود	تم اس ہندی لکڑی کو استعمال کرو، کیونکہ اس میں
الهندى، فان فيه سبعة اشفية	سات قسم کی بیماریوں سے شفا ہے جن میں ذات الجنب بھی
منها ذات الجنب، يسعط	ہے، گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی جاتی ہے اور
من العذرة، ويلد من ذات الجنب[2]	ذات الجنب میں پلائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں آئے تو دیکھا کہ ایک بچہ کی ناک کے دونوں سوراخ سے خون جاری ہے، آپ نے وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ حالت عذرہ (گھانٹی بڑھ جانے) یا دردِ سر کی وجہ سے ہے آپؐ نے فرمایا:

ويلكن، لا تقتلن اولادكن،	تم عورتوں پر افسوس ہے، تم اپنی اولاد
أيما امرأة أصاب ولدها عذرة	کی جان مت لو، جس عورت کے بچے کو گلے
او وجع فى رأسه فلتأخذ قسطًا	یا دردِ سر کی شکایت ہو، وہ قسط ہندی
هنديا فلتحكه، ثم تسعطه	لے کر گھسے اور اسی کی ناس دے۔
أيا لا [3]	

چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق جب قسط ہندی استعمال کی گئی تو بچہ کو فوراً شفا ہو گئی۔[3]

---

[1] بخاری کتاب الطب، باب السعوط، [2] صحیح مسلم، [3] زاد المعاد ج ۳ ص ۸۰ طبع میمنہ مصر۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِن افضل ما تداویتم به الحجامۃ	تم لوگوں کے لیے بہترین دوا پچھنے لگانا اور
والقسط البحری، ولا تعذبوا	قسط بحری ہے، تم اپنے بچوں کا گلا دبا کر ان کو
صبیانکم بالغمز لہ	تکلیف نہ دو۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہاں قسط بحری سے مراد قسط ہندی ہے۔ عورتوں کی ماہواری بند ہو جانے کے بعد قسط ہندی کا استعمال طبی حیثیت سے مفید ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

وقد رخص لنا عند الطهر اذا	آپ نے ہمیں اجازت دی ہے کہ جب کوئی
اغتسلت إحدانا من محیضها فی	عورت حیض سے پاکی کے وقت غسل کرے تو
نبذة کست اظفار ۲	کست اظفار تھوڑی سی استعمال کرلے،

محدث ابن تین نے اظفار کے بجائے ظفار صحیح بتایا ہے۳ جو یمن کا تجارتی شہر ہے اور کست ہندی اس کی طرف منسوب ہوتی ہے لسان العرب میں ہے کست اظفار کو کست ہندی ہی کا دوسرا نام بتایا گیا ہے،

وفی حدیث الحیض نبذة من کست	حدیث میں جو تھوڑی سی کست اظفار کے استعمال
اظفار، هو القسط الهندی ۴	کی اجازت ہے وہ قسط ہندی ہے۔

کست ہندی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سات بیماریوں سے شفا کی خبر دی ہے، جن میں سے بچوں کی دو بیماریاں گھانٹی بڑھنے اور حلق لگنے کی عام طور سے ہوتی ہیں، جن کی کست ہندی مجرب دوا ہے، بعض شارحین نے لکھا ہے کہ آپ کو کست ہندی کا بعض بیماریوں کے لیے شفا ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہوا تھا اور بعض کا علم تجربہ سے تھا۔۵

۱؎ صحیح مسلم ۲؎ بخاری باب الطیب للمرأۃ عند غسلها من الحیض ۳؎ فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۱ ۴؎ لسان العرب ج ۷ ص ۸۰ ۵؎ فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۲۱

علمائے نے لکھا ہے کہ احادیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے طب اور دوا کی بابت جو باتیں آئی ہیں وہ تشریعی نہیں، بلکہ تجرباتی ہیں، یعنی ان کا استعمال کرنا کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ تجربہ کی بات ہے،

ساگوان ہندوستان کے ساج یعنی ساگوان کی لکڑی کا استعمال عرب میں قدیم زمانہ سے عام تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سریر مبارک یعنی آرام فرمانے کے تخت کے پائے ساج کے تھے جسے آپ نے ہجرت کے بعد سے وفات تک استعمال فرمایا، بعد میں یہ سریر آثار متبرکہ میں محفوظ تھا اور اس پر مردے قبرستان لے جائے جاتے تھے، بلاذری نے انساب الاشراف میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ مکہ میں قریش کے یہاں چارپائی کا رواج نہیں تھا، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ابوایوب انصاریؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں چارپائی نہیں ہے اور انھوں نے بصد احترام نفی میں جواب دیا، حضرت اسعد بن زرارہؓ کو اس کی خبر لگی تو ایک تخت بھیجا جس کے پائے ساگوان کے تھے

فبلغ اسعد بن زرارة ذلك	یہ بات اسعد بن زرارہؓ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے
فبعث إلى رسول الله صلى الله	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پایہ دار تخت
عليه وسلم بسرير له عمود،	بھیجا جنکے پائے ساگون تھے، وہ خرم کی رسیوں سے بیچ میں
وقوائمه ساج، مرمول بخزم	بُنا ہوا تھا، آپ اسی پر سوتے تھے، یہاں تک کہ جب میرا
ليفي المسد فكان ينام عليه حتى	حجرہ تیار ہوگیا تو اس میں تشریف لائے، اور وہ تخت
تحول إلى منزلي كان فيه لي فكان	بھی میرے یہاں آیا اور آپ اس پر آرام فرماتے تھے
ينام عليه حتى توفي فوضع عليه وصلي عليه	جب وفات ہوئی تو اسی پر رکھے گئے اور آپ
وهو فوقه ۱	کی نماز جنازہ بھی اسی پر رکھکر پڑھی گئی،

۱ انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۲۵،

اس کے بعد مدینہ کے لوگ ہم سے یہ تخت لے جاتے اور اپنے مُردوں کو اس پر قبرستان لے جاتے تھے، چنانچہ اسی پر حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اور دوسرے لوگوں کے جنازے نکلے، اس کا مقصد حصول برکت ہوتا تھا، انساب الاشراف ہی میں ازواج مطہرات کے ذکر میں ہے کہ حضرت زینبؓ اپنی وصیت کے مطابق اسی پر قبرستان پہنچائی گئیں، جب مروان کا زمانہ آیا تو اس نے عوام کو اس سے روک کر اعیان و اشراف کے لیے خاص کر دیا، اور عام مُردوں کے لیے چارپائیاں منوائیں[۱]، بعد میں عبداللہ بن اسحاق نے اسے حضرت معاویہؓ کے آدمیوں سے چار ہزار درہم میں خرید لیا، مشہور محدث یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور ان کو بھی اسی تخت پر غسل دیا گیا[۲]

طریحی نے مجمع البحرین میں لکھا ہے،

فی الحدیث یصلی علی سریر من ساج، قال فی المغرب: الساج شجر عظیم جداً، ولا ینبت الا ببلاد الهند...... فی الحدیث المیت وتغسیله علی ساجة وهی لوح من الخشب المخصوص[۳]	حدیث میں ہے کہ ساگوان کے تخت پر نماز پڑھا کرتے تھے، مغرب میں ہے کہ ساگوان بہت بڑا درخت ہوتا ہے جو صرف ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں جو ساگوان پر میت کے غسل دینے کا ذکر ہے، یہ خاص لکڑی کا تخت تھا،

اس سے بھی آپ کے ساگوان کے تخت پر نماز پڑھنے اور اس پر مُردوں کے غسل دینے کا پتہ چلتا ہے،

حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارک کا کواڑ ساگوان کی لکڑی کا تھا، امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں محمد بن ابو فدیک سے روایت کی ہے کہ محمد بن ہلال نے ازواج مطہرات کے

[۱] انساب الاشراف ج ۱ ص ۳۴۶، [۲] العبر فی خبر من غبر، ذہبی ج ۱ ص ۴۱۵ طبع کویت [۳] مجمع البحرین مادہ ساج طبع ۱۴۱۰ھ

کے حجرے دیکھے ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ وہ کھجور کی ڈالیوں اور شاخوں سے بنائے گئے تھے، جن پر ٹاٹ اور کمبل کے پردے پڑے ہوئے تھے، میں نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا کہ اس کا دروازہ شامی رخ پر تھا، میں نے دریافت کیا کہ اس میں دو کواڑ تھے یا ایک، تو محمد بن ہلال نے بتایا کہ:

كان باباً واحداً، قلت من أي شئ كان، قال من عرعر الساج، [1]	ایک ہی کواڑ تھا، میں نے پوچھا کس چیز کا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ ساگوان کی لکڑی کا،

عہدِ رسالت کے بعد حرمین کی مسجدوں کی چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی چنانچہ سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے مسجد حرام کی چھت رنگ روغن اور بیل بوٹے سے مزین ساگوان سے بنوائی۔

وأول من نقل إليه اساطين الرخام وسقفه بالساج المزخرف الوليد بن عبد الملك [2]	ولید بن عبدالملک نے سب سے پہلے مسجد حرام میں پتھر کے ستون لگوائے اور اس کی چھت منقش و مزین ساگوان کی بنوائی،

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت پہلے ۳۰ھ میں جب مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع فرمائی تو اس کی چھت ساگوان کی بنوائی تھی،

وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج [3]	آپ نے اس کے ستون منقش پتھروں کے بنوائے اور ساگوان کی چھت بنوائی،

پھر جب ولید نے ۹۱ھ میں مسجد نبوی کی توسیع کی تو اس نے بھی اس کی چھت ساگوان ہی کی

---

[1] الادب المفرد ص باب البناء، [2] القریٰ لقاصد ام القریٰ ص ۶۰۰، [3] الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ لابن نجار برحاشیہ شفاء الغرام ج ۲ ص ۳۷۱

بنوائی اور اس پر سونے کا پانی چڑھایا۔

وعمل سقفه بالساج وموّهه	ولید نے مسجد نبوی کی چھت ساگوان کی بنواکر
بالذهب [1]	اس پر سونے کا پانی پھیرا،

الغرض ساگوان عام مکانوں سے لے کر مسجدوں تک میں عام طور سے استعمال ہوتی تھی؛

ہندی نیزے ہندی تلوار کی طرح خطی نیزے بھی قدیم زمانہ سے عرب میں مشہور و مستعمل ہیں، ان کے بارے میں لسان العرب میں تصریح ہے کہ:

ولیست الخط بمنبت للرماح	مقام خط میں نیزے اُگتے نہیں۔ بلکہ وہ ان
ولکنها مرفأ السفن التی	کشتیوں کے لیے بندرگاہ ہے جو ہندوستان
تحمل القنا من الهند، [2]	سے بانس وغیرہ لاد کر وہاں جاتی ہیں۔

امام لغت جوہری، کا قول ہے کہ خط یمامہ میں ایک مقام کا نام ہے جس کی طرف خطی نیزے منسوب ہیں، اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ بانس ہند سے یہاں لاکر سیدھے اور درست کیے جاتے ہیں [3]۔ اس نیزے کا تذکرہ بھی احادیث میں آیا ہے، چنانچہ مشہور حدیث ام زرع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ونکحت بعده رجلاً سريًّا،	ام زرع نے ابوزرع کے بعد ایک بہادر
ركب شريًّا، واخذ خطيًّا،	سے نکاح کیا جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا،
واراح علی نعماً ثريًّا [3]	اور ہاتھ میں خطی نیزہ لیکر نکلا، اور بڑی نعمت کا
	مالک ہوا۔

نیز عہد رسالت کے غزوات میں ہندوستان کے خطی نیزوں کا استعمال بالکل قرین قیاس ہے،

---

[1] الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینہ لابن نجار برحاشیہ شفاء الغرام ج ۲ ص ۳۷۰، [2] لسان العرب ج ۹ لفظ خط [3] شمائل ترمذی

ہندی تلوار ہندوستانی لوہے کی اور ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار عرب میں قدیم زمانہ سے مشہور و مستعمل تھی، اس کے لیے عربی زبان میں متعدد اسماء و صفات ہیں عہد رسالت کے اشعار دوا قعات اور احادیث میں ہندی تلوار کے تذکرے بہت زیادہ آئے ہیں، جن سے اس زمانہ میں ان کا عام استعمال معلوم ہوتا ہے، خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کلہ کے عمدہ لوہے کی یا کلہ کی بنی ہوئی تلوار تھی، یہ تلوار شوال ۲ھ میں غزوہ بنی قینقاع میں حاصل ہوئی تھی، طبقات ابن سعد اور انساب الاشراف میں ہے:

أصاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلاح بنی قینقاع ثلاث أسياف سيفا قلعيا وسيفا يدعى بتارا، وسيفا يدعى الحتف[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو قینقاع کے اسلحہ سے تین تلواریں تھیں، ایک کلعی تلوار تھی، ایک کا نام بتار تھا، اور ایک کو حتف کہتے تھے،

سندھی کپڑے سندھ اور ہندوستان سے بنائی جانے والی روئی کے مخملی کپڑے عرب میں جاتے تھے، نیز سندھ سے لنگی اور تہبند کے لیے چادریں وہاں مستعمل تھیں، غالباً مُسَنَّدَہ اور مُسَنْدِیَہ انہی کپڑوں کو کہتے تھے جو یمن جا کر بکتے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سندھی کپڑے استعمال فرمائے ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

وفی حدیث عائشة رضی اللہ عنہا انہ رأی علیہا اربعة اثواب سند، قیل ھو نوع من البرود الیمانیة[2]	اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ دیکھنے والے نے ان کے جسم پر چار سندھی کپڑے دیکھے، خیال ہے کہ یہ یمنی چادریں تھیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۸۶، وج ۲ ص ۲۹، وانساب الاشراف ج ۱ ص ۵۲۲، [2] لسان العرب ج ۳ ص ۲۲۳

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کچھ ایسے کپڑے بھی استعمال کیے ہیں جو ہندوستان اور دوسرے مقامات سے عرب میں جاتے تھے، یا دونوں جگہ تیار کیے جاتے تھے، اس لیے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ خالص ہندوستانی تھے، یا نہیں، البتہ ان کے ہندوستانی ہونے کا شبہ ضرور ہے،

مثلاً عام استعمال کے کپڑے یمن، صحار، اور نجران وغیرہ میں تیار ہوتے تھے جن کو برود یمانیہ، (یمنی چادریں) حلّہ سحولیہ (سحولی جوڑے) اور اثواب نجرانیہ (نجرانی کپڑے) کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا، اور ان ہی مقامات پر ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑے بھی جایا کرتے تھے بلکہ بسا اوقات ان ہی مقامات کی نسبت سے مشہور ہوتے تھے، اور جس طرح جنوبی عرب کے ان ساحلی مقامات میں کپڑے کے بہت سے کارخانے تھے، جن میں کپڑے تیار ہوتے تھے اسی طرح یہ مقامات ہندوستان اور سندھ کے کپڑوں کی منڈی بھی تھے، جہاں سے یہ کپڑے اندرون عرب کے علاوہ یورپ تک جاتے تھے، اس لیے احادیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لباس کے سلسلے میں جو یمنی، نجرانی اور سحولی و صحاری چادروں اور کپڑوں کے تذکرے ہیں، ان کے ہندوستانی ہونے کا قوی شبہ ہوسکتا ہے، اسی طرح طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کنگھی ہاتھی دانت کی تھی[1] نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عاج ہندی یا عاج زنجی کی تھی، کیوں کہ عرب میں ہندوستان اور زنج دونوں ملکوں سے ہاتھی دانت جاتے تھے،

کُرتہ کرتہ خاص ہندوستانی لباس ہے، اس کی تعریب قرطق ہے، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے اس کے استعمال کرنے کی تصریح نہیں ملتی ہے مگر بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یا اس کے قریبی دور میں کرتے کا استعمال تھا، لسان العرب میں لفظ قرطق میں ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۸۴،

فی حدیث منصور جاء الغلام وعلیہ قرطق ابیض، ای قباء وھو تعریب کرتہ، وقد تضم الطاء ...... وفی حدیث الخوارج کأنی أنظر الیہ حبشی علیہ قریطق، ھو تصغیر قرطق۔ [1]

منصور کی حدیث میں ہے کہ لڑکا آیا جس کے جسم پر سفید کرتہ تھا، قرطق کرتہ کی تعریب ہے .... اور خوارج کے بیان میں ہے کہ گویا میں اس آدمی کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک حبشی ہے جس کے بدن پر ایک چھوٹا سا کرتہ ہے۔

سندھی مرغی

ابن خرداذبہ، ابن فقیہہ ہمدانی اور جاحظ وغیرہ نے دجاج سندیہ (سندھی مرغی) اور دیک ہندی (ہندوستانی مرغ) کا تذکرہ کیا ہے، دجاج سندھی عرب میں ہندوستان کی مخصوص چیز سمجھی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے مرغی کھانے کا ذکر احادیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے مگر ان میں سندھی مرغی کی تصریح نہیں ہے، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل لحم الدجاج [2]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے،

البتہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں دجاج سندھی کا گوشت استعمال ہوتا تھا، طریحی نے مجمع البحرین میں لکھا ہے:

وفی الحدیث دجاج سندی [3]

حدیث میں سندھی مرغی کا ذکر ہے،

ہندی طرز کی موتراشی

عرب میں ہندوستانی قومیں کثرت سے آباد تھیں اور ان کے بعض عادات واطوار وہاں رائج ہو گئے تھے، چنانچہ عہد رسالتؐ میں جاٹوں کے طرز کی موتراشی اور حجامت کا تذکرہ ملتا ہے، مگر یہ پتہ نہیں چلتا

---

[1] لسان العرب ج ۱۰ ص ۳۲۳، [2] زاد المعاد ج ص ، [3] مجمع البحرین لفظ سند،

کہ اس طرح کس نے سر کے بال بنوائے،

وفی بعض الأخبار فحلق رأسه	اور بعض اخبار میں ہے کہ انھوں نے جاٹوں کی طرح
زطية، قيل هو مثل الصليب	سر منڈوائے ایک قول کے مطابق یہ حجامت
كأنه فعل الزط لہ	صلیب کی طرح تھی گویا وہ جاٹوں کا فعل ہے،

اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جاٹوں کی طرح کسی نے اس زمانہ میں سر کے بال ترشوائے تھے،

لفظ بابو عرب میں بابوس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں، نیز اس کا استعمال گہوارے میں دودھ پیتے انسان کے بچے کے لیے ہوتا تھا، تقریباً اسی دوسرے معنی میں ہندوستان میں چھوٹے بچے کے لیے بابو کا لفظ بولا جاتا ہے، بابو اور بابوس، میں حرف آخر میں سین کا اضافہ ہے، نیز عرب میں بچہ باپ کو اور باپ بچہ کو بابا کہتا ہے،

لسان العرب میں ہے،

وقالوا بأبأ الصبي أبوه اذا قال	علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب باپ اپنے
له بابا، وبأبأه الصبي اذا قال	بچے کو بابا کہتا ہے یا بچہ اپنے باپ کو بابا کہتا
له بابا . ٢ه	ہے تو بأبأ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے،

ہندوستان اور عرب میں یہ مشترک لفظ تھوڑے سے مقامی اثر و فرق کے ساتھ حدیث میں آیا ہے چنانچہ بخاری میں حدیث جُریج راہب میں ہے کہ،

فمسح رأس الصبي وقال له	جریج راہب نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا
يا بابوس من ابوك، فقال راعي	اور کہا کہ اے بابو! تیرا باپ کون ہے؟
الغنم، ٣ه	اس نے کہا کہ بکری کا چرواہا،

مولانا فضل اللہ گیلانی شرح الادب المفرد میں لکھتے ہیں

لہ لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸، و مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۶۲ ٢ه لسان العرب ج ۱ ص ۲۵، ٣ه بخاری باب الصلوٰۃ،

البابوس الصغير والرضيع	بابوس کے معنی چھوٹے بچے یا دودھ پیتے بچے کے
وهو بابو فی الهندیة [1]	ہیں، اور ہندی زبان میں بھی بابو ہے۔

ہندوستان کی جن چیزوں سے ممانعت کیگئی ہے عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سی چیزیں عرب میں رائج تھیں جن میں کئی چیزوں کو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر خود استعمال کیا ہے، اور صحابہؓ کو ان کی ترغیب دی ہے، اسی طرح یہاں کی بہت سی چیزوں اور دونوں ملکوں کی مشترک باتوں سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ان کی وجہ سے اسلامی عقائد اور اعمال میں کمزوری آنے کا ڈر تھا، یا وہ سرے سے اسلامی تعلیمات کے خلاف تھیں،

نرد یعنی چوسر اس کو نردشیر اور کوبہ بھی کہتے تھے، اسے مسعودی نے ہندوستان کے راجہ ناہود کے زمانے کی ایجاد بتایا ہے، یہ ہندوستانی کھیل غالباً ایرانیوں کے ذریعہ عرب پہنچا ہے، چونکہ چوسر اسلام کے عقیدہ توحید و تقدیر کی رو سے سراسر لغو ہے اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی شدت سے اس کھیل سے روکا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

من لعب بالنرد شیر فکأنما	جس نے چوسر کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ
غمس یدہ فی لحم الخنزیر ودمہ [2]	خنزیر کے خون اور گوشت میں ڈالا۔

دوسری حدیث میں ہے:

من لعب بالنرد فقد عصی اللہ	جس نے چوسر کھیلا اس نے اللہ اور
ورسولہ	اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی،

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جو لوگ نرد کے ذریعہ قمار اور جوا کھیلتے ہیں وہ گویا خنزیر کا گوشت کھانے والے ہیں اور جو بغیر قمار کے نرد کھیلتے ہیں وہ گویا خنزیر

---

[1] فضل اللہ الصمد ج ۱ ص ۱۰۸ [2] صحیح مسلم، والادب المفرد عن ابی بریدۃ عن ابیہ ص ۱۸۶

کے خون میں ہاتھ ڈالنے والے ہیں، اور اسے دیکھنے والے گویا خنزیر کا گوشت دیکھ رہے ہیں[۱]

شطرنج یہ بھی ہندوستانی کھیل ہے جو عرب میں رواج پا چکا تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، ایک حدیث میں ہے:

ملعون من لعب بالشطرنج	شطرنج کھیلنے والا ملعون ہے،

اور دوسری حدیث میں ہے:

اذا مررتم بھولاء الذین یلعبون	جب تم ان کو، شطرنج اور چوسر وغیرہ کھیلنے
بھذہ الازلام، والشطرنج، والنرد،	والوں کے پاس سے گذرو تو ان کو سلام
وما کان من ھذہ فلا تسلموا علیھم و	نہ کرو، اور اگر وہ تم کو سلام کریں تو
ان سلموا علیکم فلا تردوا علیھم[۲]	ان کے سلام کا جواب نہ دو۔

حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نرد اور شطرنج کو بڑی شدت سے روکا، ایک مرتبہ آپ شطرنج کھیلنے والی ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو اس پر جھپٹ پڑے اور فرمایا کہ خدا کی قسم یہ کھیل تمہارے اخلاق و عادات کو بدل دے گا، اگر آئندہ کے لیے حجت بننے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسی کھیل سے تمہارے چہروں کو مارتا، نیز حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا ہاتھ میں چنگاری لیے رہنا یہاں تک کہ وہ بجھ جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ شطرنج کا کھیل کھیلے،[۳]

گودھنا وشم یعنی ہاتھ اور جسم کے مختلف اعضاء کو گودھنا ہندوستان اور عرب دونوں ملکوں میں عام تھا بلکہ دنیا کی اکثر وحشی اور متمدن قوموں میں اس کا رواج پایا جاتا تھا، جاہلیت کے اشعار میں گودھنے کا ذکر کثرت سے آیا ہے زہیر بن ابی سلمیٰ کا قول ہے:

---

[۱] الادب المفرد ص ۱۸۶، [۲] کنز العمال باب اللھو واللعب ج ۸، ص ۱۴۱ [۳] ایضاً ص ۲۳۵

وداز لہا بالرقمتین کانہا مراجع وشم فی نواشر معصم

(مقام رقمتین میں محبوبہ کے گھر آثار یوں ظاہر ہیں جیسے کلائی کی ابھری ہوئی رگوں میں گود ھنے کے نشان ہوتے ہیں)

لبید بن ربیعہ کا قول ہے :

لخولۃ أطلال ببرقۃ ثہمد تلوح کباقی الوشم فی ظاہر الید

(خولہ کے گھر کے نشان مقام برقہ ثہمد میں یوں ظاہر ہوتے ہیں جیسے ہاتھ کی پشت پر گود ھنے کے نشان ہوتے ہیں)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی شدت سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے،

لعن اللہ الواشمۃ والموشمۃ گودھنا گودھنے والی اور گود ھلانے والی دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

نچھتر انواء یعنی نچھتروں سے بارش کا عقیدہ ہندوستان اور عرب میں تھا، اور دونوں مقام کے لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں نچھتر سے بارش ہوتی ہے، یہ ایمان بالکواکب اور ستارہ پرستی ہے جو عقیدۂ خدا پرستی کے بالکل خلاف ہے، اس لیے احادیث میں اس عقیدہ و خیال کی شدت سے ممانعت آئی ہے، ایک حدیث میں ہے :

من قال مطرنا بنوء کذا فقد کفر بما أنزل علی محمد (مسلم) جو شخص یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ محمدؐ کے لائے ہوئے دین کا منکر ہے۔

اس باب میں یہ چند چیزیں مثال کے طور پر بیان کر دی گئی ہیں، اگر اس سلسلہ میں احادیث وسیر کی چھان بین کی جائے تو اس موضوع پر اچھا خاصا دفتر تیار ہو جائے۔

اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کسی صحابی کے باقاعدہ دعوت لیکر ہندوستان آنے کی صحیح اور مستند روایت نہیں ملتی، البتہ آپ کی وفات کے چار یا پانچ سال بعد عہدِ فاروقی میں اس کی روایت موجود ہے،

عہد رسالت میں بحری اسفار

مگر اس بحث سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرامؓ کے بحری اسفار پر مختصر سی بحث کی جائے، اور بتایا جائے کہ اس زمانہ میں عام طور سے بحری سفر کا رواج تھا کیونکہ یورپ کے مستشرقین جو اسلام کے ہر مجد و شرف کے منکر ہیں اس حقیقت کا بھی انکار کرتے ہیں! ظاہر ہے کہ عرب کا ملک تین طرف سے سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اور قدیم زمانہ سے عربوں میں غیر ممالک کا سلسلہ بحری راستوں سے جاری تھا، اور ان کے تجارتی اور بحری اسفار مشرق میں چین تک اور مغرب میں روم تک جاری تھے۔ اسی طرح عہد رسالت میں صحابہ کرام کے بحری اسفار کا تجارتی سلسلہ قائم رہا، امام حسن بصری نے حضرت سمرہ رضہ سے روایت کی ہے،

کان أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتجرون فی البحر،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بحری تجارت کیا کرتے تھے،

ایک مرتبہ شکاریوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

آکر عرض کیا :

انا نرکب البحر، ونحمل معنا القلیل	ہم لوگ سمندری سفر کرتے ہیں اور تھوڑا
من الماء، [۱]	سا پانی اپنے ساتھ لے لیتے ہیں،

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام قرار دے دی ہے۔

فقیل یا رسول اللہ أرأیت شحوم	تو اس وقت لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مردار
المیتۃ فانہ یُطلی بھا السفن،	کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیوں کہ اس کو
ویدھن بھا الجلود، ویستصبح	کشتیوں، چمڑوں اور چراغ میں استعمال کیا جاتا ہے،
بھا الناس فقال لا، ھو حرام [۲]	آپ نے فرمایا نہیں، وہ بھی حرام ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے موضح اوہام الجمع والتفریق میں مسلم بن ابی عمران اسدی کے تذکرے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے :

إن امرأۃ رکبت البحر فنذرت	ایک عورت نے سمندری سفر کیا اور ایک مہینہ روزہ رکھنے
ان تصوم شھراً فماتت قبل أن	کی منت مانی، لیکن اس کو پورا کرنے سے پہلے ہی وہ مر گئی،
تصوم فأتت أختھا النبی صلی اللہ	اس کی بہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر
علیہ وسلم فقال صومی عنھا [۳]	مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اس کی طرف سے روزہ رکھو،

ان چند احادیث اور عہد رسالت کے واقعات سے اس دور کے بحری سفر کا اندازہ ہو جاتا ہے، نیز احادیث و سیر کی کتابوں میں عہد رسالت کے بحری اسفار کے تذکرے موجود ہیں، چنانچہ نبوت کے پانچویں سال صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و مشورہ سے بحری راستہ سے حبشہ ہجرت کی، سنہ ۶ھ تا سنہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] رحلۃ الصدیق، نواب صدیق حسن خاں ص ۲۴ طبع بمبئی، [۲] صحیح مسلم [۳] موضح اوہام الجمع والتفریق طبع حیدرآباد ج ۲ ص ۲۹۷

عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نامہ مبارک دیکر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا، یمن کے قبیلہ اشعر کے تقریباً باون[۵۲] مسلمان مدینہ کے ارادہ سے بحری راستہ سے روانہ ہوئے، اس زمانہ میں مدینہ کی بندرگاہ جار تھی، مگر ہوا کا رخ بدل جانے سے یہ لوگ حبشہ پہنچ گئے، یہاں کے مسلمان مہاجرین نے ان کا استقبال کیا اور غزوۂ خیبر کے موقع پر ۷ھ میں ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، اور ان حضرات کو اہل السفینہ کا لقب ملا[۱]۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ لوگ مرد، عورت سمیت پچاس آدمی تھے اور یمن سے سوار ہو کر جدہ اترے:

وقد موا فی سفن فی البحر، — سمندری راہ سے کشتیوں میں چلے

وخرجوا بجدۃ۔[۲] — اور جدہ میں اترے،

اسی طرح لخم اور جذام کے تیس آدمیوں کے ہمراہ حضرت تمیم داریؓ بحر روم کے سفر پر روانہ ہوئے مگر بادِ مخالف کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر ایک جزیرہ میں پہنچ گئے[۳]۔

اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام کے بحری اسفار کے اور بھی تذکرے موجود ہیں، نیز قرآن حکیم نے جگہ جگہ سمندروں میں جہازرانی کے پُرہول مناظر بیان کر کے عربوں کو مشرکانہ عقائد پر جھنجھوڑا ہے، اور دعوت توحید دی ہے، عہد رسالت کے اشعار میں بھی بحری اسفار اور جہازرانی کا ذکر موجود ہے، ان شواہد و دلائل کے بعد ہندوستان میں صحابہ کرام کا آنا اس لیے مستبعد قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ بحری سفر نہیں کرتے تھے، اور نہ وہ جزیرۃ العرب کے ریگستانوں اور پہاڑوں کی حدود سے باہر نکلے تھے، اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لیے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب "عربوں کی جہازرانی" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

عہد رسالت میں دعوت اسلام کی دور روایات

۶ھ کے آخر یا ۷ھ کے شروع میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

---

[۱] صحیح مسلم باب فضائل اشعریین، [۲] طبقات ابن سعد طبع بیروت ج ا ص ۲۲۸، [۳] صحیح مسلم ذکر دجال،

نے عرب اور دوسرے علاقوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام تبلیغ اسلام کے دعوت نامے صحابہ کرام کے ذریعہ بھیجے، تو عرب کے مشرقی علاقوں کے حکمرانوں کے نام بھی دعوت اسلام کے خطوط روانہ کیے، عمرو بن عاص سہمیؓ کو عمان میں جیفر اور عیاذ کے پاس، سلیط بن عمروؓ کو یمامہ میں ثمامہ بن اثال کے پاس، اور سلیط بن عمروؓ کو ہوزہ کے پاس، اور علاء بن حضرمی کو بحرین میں منذر بن ساوی عبدی کے پاس روانہ فرمایا، یہ سب مقامات ہندوستان کے سامنے واقع ہیں، اور قدیم زمانہ سے ہندوستان اور چین تک عرب تاجروں کی گذرگاہ رہے ہیں، لیکن ان کے آگے سمندر پار عہد رسالت میں کسی صحابی کے آنے کی مستند روایت نہیں ہے، اور جو دو ایک روایتیں ہیں بھی وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ رہی ہیں، حالانکہ ان ہی دنوں میں عمرو بن امیہ ضمریؓ کے حبشہ نامۂ مبارک لے کر جانے کی روایت احادیث و سیر کی کتابوں میں موجود ہے، پھر بھی ان غیر معتبر روایات کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا،

اس سلسلے میں ہمیں اب تک صرف دو روایتیں مل سکی ہیں، پہلی روایت قنوج کے راجہ سرباتک کے پاس صحابہ کے دعوت اسلام لے کر آنے اور راجہ کے مسلمان ہونے کی ہے، جسے حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں غیر مستند قرار دیا ہے۔

وزعم أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	سرباتک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
أنفذ إلیہ حذیفۃ، وأسامۃ، و	نے اس کے پاس حذیفہ، اسامہ، اور
صھیبا یدعونہ إلی الإسلام	صہیب کو دعوت اسلام دیکر بھیجا چنانچہ
فأجاب وأسلم وقبل کتاب النبی	اس نے اسلام قبول کیا، اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔ [1]	صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو بوسہ دیا،

اس روایت کو نقل کرکے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ذہبیؒ نے تجرید اسماء الصحابہ میں لکھا ہے کہ یہ کذب واضح اور کھلا ہوا جھوٹ ہے،

---

[1] الاصابہ ج ۲ ص ۱۲۱ طبع مصر جدید۔

دوسری روایت سندھ میں پانچ صحابہ کرام کے آنے اور ان میں دو حضرات کے واپس جانے اور تین کے سندھ ہی میں انتقال فرمانے کی ہے، یہ روایت ایک قلمی مجموعہ میں جمع الجوامع کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے،

رُوِیَ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
أرسل کتابہ إلی أھل السند علی	نے سندھ کے باشندوں کے یہاں اپنے پانچ
ید خمسۃ نفر من أصحابہ فلما جاءوا	صحابہ کے ذریعہ اپنا نامۂ مبارک بھیجا، جب یہ
فی السند فی قلعۃ یقال نیرون أسلم	لوگ سندھ کے مقام نیرن کوٹ میں آئے
بعض أھلہ، ثم رجع من أصحابہ اثنان	تو وہاں کے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا پھر
مع الوافد علیہ من السند، وبقی	ان پانچ میں سے دو واپس چلے گئے، اور باقی
ثلاثۃ منھم فی السند، وأظھر أھل	تین سندھ میں رہ گئے،
السند الإسلام، وبلیغوا لأھل	سندھ کے لوگوں نے ان کی وجہ سے اسلام
السند الأحکام، وماتوا فیہ و	قبول کیا اور انھوں نے ان کو اسلامی احکام
قبورھم فیہ الآن موجود ۃ	سکھائے، بعد میں یہ لوگ سندھ میں انتقال
وجدت، [۱]	کر گئے اور ان کی قبریں ابھی تک وہاں موجود ہیں،

جس قلمی مجموعہ یادداشت سے یہ روایت نقل کی گئی ہے نہ وہ معتبر ہے اور نہ یہ معلوم کہ جمع الجوامع کون سی کتاب ہے، علامہ سیوطیؒ کی جمع الجوامع میں اس قسم کی روایت مستبعد معلوم ہوتی ہے،

الغرض ۶ھ یا ۸ھ میں یا اس سے پہلے ہندوستان میں کسی صحابی کے دعوتِ اسلام لے کر آنے کی کوئی صحیح روایت نہیں ہے، البتہ اس کے آٹھ نو سال بعد خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں عرب سے مسلمانوں کے ہندوستان آنے کی مستند روایت

---

[۱] مجموعہ کلمات و رسائل مولوی بخاری قلمی ورق ۱۹۰، یہ نسخہ میرے پاس محفوظ ہے،

موجود ہے، اور اسی زمانہ میں باب الہند بحرین سے مسلمانوں کی رضا کارانہ فوج تھانہ (بمبئی) بھڑوچ (گجرات) اور دیبل (سندھ) آئی۔ اور جنوبی ہند کے بعض ساحلی مقامات پر کسی صحابی کے آنے کی جو روایت مشہور ہے وہ بھی تاریخی اعتبار سے غیر مستند ہے،

وصال نبوی کے چوتھے سال ہندوستان میں صحابہ کرامؓ کی تشریف آوری

عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بحرین ہمیشہ سے چین اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز تھا، اس کے تمام علاقوں میں ہندوستان کے لوگ پھیلے ہوئے تھے، اس کی مرکزیت و اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہاں اپنے دو حکام مقرر فرمائے، ایک حضرت علاء حضرمیؓ اور دوسرے حضرت ابان بن سعید بن عاصیؓ ایک روایت میں ہے کہ علاء حضرمیؓ علاقہ قطیف کے حاکم تھے، اور ابانؓ علاقہ خط میں تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دور خلافت میں علاء حضرمی کو دوبارہ وہاں کا حاکم مقرر کیا مگر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں ان کی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کی حکومت دی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت علاء کے زمانہ ہی میں حضرت ابوہریرہؓ کو یہ عہدہ دے کر ان کے ذمہ قضاء اور نماز کی امامت کے ساتھ زکوٰۃ و خراج کی وصولی بھی کر دی گئی تھی ؛

بحرین کی مرکزیت، یہاں ہندوستانیوں کی کثرت اور ہندوستان سے تجارتی جہازوں کی آمد و رفت دیکھ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تعجب نہیں کہ یہیں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت یاد آگئی ہو اور ان ہی ایام میں آپ نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی تمنا فرمائی ہو، جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے

عن أبي هريرة قال وعدنا رسول الله	حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم سے رسول اللہ
صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فإن	صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا ہے
أدركتها أنفق فيها نفسي ومالي	اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنا جان و مال قربان
فإن أقتل كنتُ أفضل الشهداء	کروں گا، اگر اس میں کام آگیا تو بہترین شہید

وإن أرجع فأنا أبو هريرة المحرر[1] ہوں گا، اور اگر واپس لوٹا تو نارِ جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا،

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ تمنا دل ہی میں تھی کہ حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں ان کی جگہ حضرت عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا، جنھوں نے ہندوستان پر فدائیانِ اسلام کے ذریعے تین طرف سے فوج کشی کرائی،

۱۵ھ میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حملہ

عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ ۹ھ میں طائف کے وفدِ ثقیف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ نے ان کی صلاحیت کے پیش نظر ان کو طائف کا حاکم مقرر فرمایا، اس وقت سے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کی ابتدا تک آپ طائف کے حاکم رہے، مگر حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں انکو طائف کے بجائے بحرین اور عمان کا حاکم مقرر کیا، یہ کئی بھائی تھے (۱) عثمان بن ابی العاصیؓ، (۲) حکم بن ابی العاصیؓ، (۳) مغیرہ بن ابی العاصیؓ (۴) اور حفص بن ابی العاصیؓ عثمان نے بحرین اور عمان کی تولیت کے ابتدائی دور ہی میں اپنے بھائی حکم کو طائف سے بلا کر بحرین بھیجدیا، اور خود عمان پہنچکر متطوعین اور فدائیان اسلام کی فوج تیار کی، اور اس کی قیادت اپنے بھائی حکم کو دیکر ہندوستان روانہ کیا، اس مہم میں تھانہ (بمبئی) اور بھڑوچ (گجرات) دونوں ساحلی مقامات پر حکم بن ابی العاصی نے اپنی فوج کو لیکر حملہ کیا اور فتح پائی، نیز عثمان نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابی العاصی کی زیر قیادت ایک رضاکارانہ بحری فوج دیبل (ٹھٹھہ، سندھ) کی طرف روانہ کی، جہاں سے اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس ہوا،

جب اسلامی لشکر ہندوستان سے واپس گیا تو حضرت عثمان ثقفیؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اس کی پوری تفصیل لکھی، چونکہ حضرت عمرؓ اس فوج کشی سے بے خبر تھے، اور اس سے پہلے بحری راستہ سے اسلامی فوج ادھر نہیں آئی تھی اس لیے آپ نے عثمانؓ کے اس اقدام کو ناپسند

[1] مسند احمد، وسنن نسائی باب غزوۃ الہند

فرمایا، اور تہدید آمیز خط لکھا کہ اگر اس خطرناک اور غیر منظم مہم میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا تو تمہارے قبیلہ ثقیف سے ایک ایک کا بدلہ لوں گا، الغرض وصال نبوی کے چار سال بعد صحابہ کرام اسلام کی دولت لے کر ہندوستان تشریف لائے اور اس سرزمین نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا، ان مہمات کا تذکرہ مشہور مورخ بلاذری نے فتوح البلدان کے باب فتوح السند میں یوں کیا ہے،

وولّی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں عثمان
عثمان بن أبي العاصی الثقفی البحرین	بن ابی العاصی ثقفی کو بحرین اور عمان کا حاکم
وعمان سنۃ خمس عشرۃ، فوجّہ	بنایا، عثمان نے اپنے بھائی حکم کو بحرین روانہ
أخاہ الحکم إلی البحرین، ومضیٰ	کیا، اور خود عمان پہنچکر تھانہ کی طرف ایک
إلی عمان فأقطع جیشًا إلی تانہ	فوجی مہم روانہ کی، اور جب لشکر واپس آیا تو
فلما رجع الجیش کتب إلی عمر	حضرت عمرؓ کو لکھ کر اس کی اطلاع دی، حضرت
یعلمہ ذلک، فکتب الیہ عمر یا	عمرؓ نے ان کو لکھا کہ اے ثقفی! تو نے گویا کیڑے
أخا ثقیف حملت دودًا علی عود، و	کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے،
انی أحلف باللہ أن لو اصیبوا	خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آئی تو
لأخذت من قومک مثلھم،	تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لوں گا، نیز عثمان
ووجّہ الحکمَ أیضًا إلی بروص،	نے اپنے بھائی حکم کو بھڑوچ روانہ کیا، اور ایک
ووجّہ أخاہ المغیرۃ بن أبی العاصی	اور بھائی مغیرہ کو دیبل کی کھاڑی کی طرف روانہ کیا،
إلی خور الدیبل فلقی العدو فظفر[۱]	جہاں انہوں نے دشمن سے مقابلہ کر کے فتح پائی،

عام تاریخوں میں ان حملوں کے بیان نہ کرنے کی وجہ

تعجب ہے کہ عام مورخوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی اس ابتدائی آمد اور یہاں

[۱] فتوح البلدان ص ۴۳۰ طبع مصر،

کے تین مقامات پر ان کے حملہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، البتہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں خور دیبل پر حضرت حکم ثقفیؓ کے حملہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

والدیبل من ناحیۃ السند مدینۃ	دیبل سندھ کا ایک شہر بحر ہند کے ساحل پر ہے،
علی ساحل بحر الھند، وجہ الیہ	اور عثمان بن ابی العاص نے اپنے بھائی حکم کو یہاں
عثمان بن ابی العاص أخاہ الحکم ففتحہ[1]	بھیجا، جنھوں نے اسے فتح کیا،

اس سے اتنا تو ثابت ہی ہوگیا کہ علامہ بلاذری اپنے بیان میں تنہا نہیں ہیں بلکہ یاقوت حموی بھی ان کے ساتھ ہیں، البتہ حموی نے اس سلسلے میں صرف دیبل کا نام لیا ہے اور تھانہ اور بھڑوچ کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے بہت سے مورخوں نے بلاذری ہی کے حوالے سے عثمان ثقفیؓ کی پانچ چھ سال بعد کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور فتوحات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، بلکہ خود بلاذری نے اسی فتوح البلدان میں کور فارس وکرمان کی فتوحات کے باب میں عثمان کی بحرین وعمان میں تقرری کو بیان کرتے ہوئے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حکم کے فوج کشی کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، حالانکہ بحری راستہ سے فارس کی مہم کا تذکرہ کیا ہے:

ثم لما ولی عمر عثمان بن ابی العاصی الثقفی	جب حضرت عمرؓ نے عثمان بن ابی العاصی ثقفی کو بحرین
البحرین وعمان فدوخھما واتسقت لہ	اور عمان کا حاکم بنایا تو انھوں نے ان دونوں مقامات
طاعۃ أھلھا، وجہ أخاہ الحکم	کو زیر کرکے مقامی باشندوں کو مطیع کرلیا، اور
بن ابی العاصی فی البحر الی فارس[2]	اپنے بھائی حکم کو براہ سمندر فارس کی مہم پر روانہ کیا۔

حموی اور دوسرے مورخوں کے ان حملوں کے تذکرہ نہ کرنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ بالکل منقطع عارضی اور غیر منظم جھڑپ تھی، کوئی مستقل فوج کشی اور جنگ نہیں تھی، جسے حضرت عمرؓ نے بھی ناپسند کرتے ہوئے کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ شدت سے منع فرمایا، اسی طرح امام ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں عثمان بن ابی العاصی کے ۱۵ھ میں بحرین اور عمان کے حاکم بنائے جانے کا تذکرہ کرکے لکھا ہے کہ عثمان خود تو عمان چلے گئے اور اپنے بھائی حکم کو بحرین بھیجا، اس کے بعد حکم کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، بلکہ عثمان کے ۲۱ھ میں فارس کے شہر توج پر حملہ کرنے کا ذکر کیا ہے:

وسار ھو الی توج ففتحھا ومصرھا وقتل ملکھا شھرک	اور خود عثمان توج گئے اور اسے فتح کرکے آباد کیا، اور وہاں کے
وذلک سنۃ احدی وعشرین[3]	والی حاکم شہرک کو قتل کیا، یہ واقعہ ۲۱ھ کا ہے،

---

[1] معجم البلدان ج ۴ ص ۱۸۴ ذکر خور الدیبل [2] فتوح البلدان ص ۳۸۰ [3] الاستیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۲ ص ۹۱

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ سے ۲۰ھ تک خود عثمان نے کوئی جنگی سرگرمی نہیں دکھائی بلکہ ۲۱ھ میں پہلا حملہ انھوں نے توج پر کیا، اور اسی میں اپنے بھائی حکم سے بھی مدد لی، چنانچہ حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو عمان سے بحری مہم پر روانہ کیا، اور انھوں نے فارس کے شہر برکان کو فتح کرکے توج کا رخ کیا۔[1]

عثمان ثقفی رض کی طرف سے ان کے بھائی حکم اور مغیرہ کی زیر قیادت ہندوستان کے تین ساحلی مقامات پر جو ہنگامی حملہ ۱۵ھ میں ہوا تھا، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے خلافت صدیقی کے ابتدائی دور میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رض حدود فارس پر حیرہ کی طرف سے اور حضرت سوید بن قطبہ عجلی رض ابلہ کی راہ سے حملہ آور ہوتے تھے، اور پھر صحراؤں میں چلے جاتے تھے[2]، اور جس طرح ان دونوں حضرات کی ان ہنگامی یلغاروں اور وقتی حملوں کا مفصل حال اسلامی تاریخوں میں نہیں ملتا، اسی طرح حکم اور مغیرہ کے ہندوستان پر ان بحری حملوں کا ذکر بھی نہیں ملتا،

ہندوستان طائف اور اس کے قبیلہ بنو ثقیف کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا ہے کہ اس نے ہندوستان کو اپنی دینی اور روحانی توجہ کا مرکز بنا کر جب بھی اسے اقتدار ملا، اس کی طرف رخ کیا، عہد فاروقی میں حضرت عثمان ثقفی نے بحرین و عمان کی گورنری پاتے ہی اپنے دو بھائیوں حکم اور مغیرہ کو یہاں اسلام کی برکت دیکر روانہ کیا، اور اموی دور خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے عراق کی گورنری پاکر اپنے جواں سال بھتیجے محمد بن قاسم رح کو خلافت کے زیر اہتمام باقاعدہ اسلامی فوج کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا،

حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خانوادۂ ثقیف کا مختصر تذکرہ کردیا جائے، جس کا تقریباً ہر فرد ہندوستان کا محسن ہے، حضرت ابو عبداللہ عثمان بن ابی العاص بن بشر بن عبد دھمان

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۷۲۴ ذکر توج، [2] الاخبار الطوال دینوری ص ۱۱۰ طبع مصر،

بن عبد اللہ طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں ۹ھ میں طائف کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ارکان وفد میں سب سے چھوٹے تھے، اس لیے لوگوں نے انھیں ڈیرے پر سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا، جب وہ لوگ دوپہر میں آکر سوئے تو آپ چپکے سے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین اور قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے اگر رسول اللہ کو آرام فرماتے دیکھتے تو حضرت ابوبکر اور حضرت اُبی بن کعب سے قرآن پڑھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس بات سے بہت خوش ہوئے، اور جب تمام ارکان وفد کھل کر اسلام لائے تو عثمان نے بھی اپنا اسلام ظاہر کر دیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف سے طائف کا حاکم بنایا، خلافت صدیقی تک آپ اپنے منصب پر رہے، پھر حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین اور عمان کی گورنری کے لیے طلب کیا پہلے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے حاکم بنایا ہے میں اسے ہٹا نہیں سکتا ــ مگر جب لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ان سے کہیں کہ اپنی طرف سے کسی کو طائف کا حاکم مقرر کر لیں، چنانچہ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ان کو ہٹایا کہ انھوں نے اپنے بھائی حکم کو اپنا نائب مقرر کیا، اور بحرین و عمان کی گورنری سنبھالی، پھر جلد ہی حکم کو اپنے پاس بلا کر ہندوستان اور ایران کی مہمات پر روانہ کیا اور خود ایران میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر بہت سے مقامات فتح کیے آخر میں بحرین و عمان سے معزول ہونے کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی، بصرہ میں جس جگہ آپ رہتے تھے اسے شطِ عثمان کہا جاتا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی دینی خدمات پر بارہ ہزار جریب کا ایک ٹکڑا جاگیر میں دیا صحاح اور سنن میں آپ کی احادیث و روایات موجود ہیں، حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔

حضرت حکم بن ابی العاص ثقفی | حضرت حکم بن ابی العاص بن بشر رضی اللہ عنہ کی کنیت

ابو عثمان یا ابو عبد الملک ہے، صحابی رسول ہیں، بڑے بہادر اور شان کے آدمی تھے، اپنے بھائی عثمان ثقفی رضؓ کی طرف سے بحرین کی گورنری سنبھالی اور ایران و عراق میں اسلامی فتوحات کیں، اپنی قیادت میں فدائیانِ اسلام کی ایک جماعت لے کر ۱۵ھ میں تھانہ اور بھڑوچ آئے تھے، آپ بھی اپنے بھائی عثمان کے ساتھ بصرہ میں آباد ہو گئے تھے،

حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضؓ

حضرت عثمان ثقفی کے حقیقی بھائی اور ان کی دینی اور اسلامی سرگرمیوں میں شریک ہیں، آپ نے اپنے بھائی عثمان کی طرف سے دیبل (کراچی)، پر فدائیان اسلام کو لے کر کامیاب فوج کشی کی ایک روایت ہے کہ آپ سندھ میں فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے مگر یہ روایت معتبر نہیں ہے۔

حضرت حفص بن ابی العاص رضؓ

آپ بھی حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔

خلافت راشدہ میں ہندوستان سے تعلقات

۱۵ھ میں ہندوستان پر غیر منظم بحری حملہ کے بعد عہد فاروقی میں پھر کسی مہم کا پتہ نہیں چلتا، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مہم کے سخت خلاف تھے، اور بغیر مکمل تیاری اور پوری معلومات کے ہندوستان کے طول طویل بحری سفر کو مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے حضرت عثمان ثقفی رضؓ نے پہلے حملہ کے بعد اس کی طرف کوئی توجہ نہیں بلکہ پانچ چھ سال بعد ایران کے علاقوں میں مجاہدانہ سرگرمی تیز کی اور اپنے بھائی حکم کو بھی اس طرف متوجہ کیا،

عہد فاروقی میں سندھ اور مکران کی حدود تک براہ خشکی مجاہدین اسلام کے قدم آئے مگر آگے نہ بڑھے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے ہندوستان کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت عمر رضؓ کی محتاط روش کی روشنی میں عراق

کے حاکم عبداللہ بن عامر کُریز کے ذریعہ حضرت حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان کے سرحدی مقامات کے سیاسی اور ملکی حالات اور جہاد کے امکانات معلوم کرنے کے لیے یہاں بھیجا، مگر یہاں کے حالات جہاد کے لیے مناسب نہ تھے، اس لیے مزید کوئی کارروائی نہیں کی، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے سنہ ۳۹ھ کے ابتداء میں حارث بن مرہ عبدی کو اجازت دی کہ وہ متطوعین کی ایک جماعت لے کر ہندوستان کا رخ کریں، چنانچہ حارث بن مرہ عبدی نے ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر حملہ کیا اور مال غنیمت پایا، مگر بعد میں قیقان (کیگان، قلات) کے ایک معرکہ میں حارث بن مرہ اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے، یہ سنہ ۴۲ھ کا واقعہ ہے،

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں سنہ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور بنوں پر فوج کشی کی، اس کے بعد عبد اللہ بن سوار عبدی نے قیقان پر حملہ کر کے گزشتہ شکست کا بدلہ لیا اور فتح پائی، نیز حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں زیاد بن ابی سفیان نے سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو مکران کی طرف روانہ کیا، جہاں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اسی دوران میں زیاد نے راشد بن عمرو ازدی کو مکران بھیجا اور راشد نے قیقان کو فتح کر کے بحری ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا،[1]

الغرض عہد فاروقی کی ابتداء سے حضرت معاویہ کے زمانہ تک ہندوستان اور عرب کے تعلقات کی نوعیت وقتی معرکہ آرائی اور غالب و مغلوب کی رہی جن میں خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے حصہ لیا، ظاہر ہے کہ ان مہمات میں بزم نبوت کے حلقہ نشینوں کے مبارک قدم اس ملک میں آئے

---

[1] تفصیلات کے لیے فتوح البلدان، باب فتوح السند ملاحظہ ہو،

ہوں گے، جن کے انفاس گرم کی تاثیر سے آج تک ہندوستان میں اسلام اور مسلمان زندہ وتابندہ ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک زندہ تابندہ رہیں گے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقِہٖ محمدٍ وآلِہٖ واصحابہٖ اجمعین والحمد للہ ربّ العالمین۔

قاضی اطہر مبارکپوری، بمبئی

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

مراجع و مصادر

نام کتاب	نام مصنف	مطبع
المسالك والممالك	ابوالقاسم عبیداللہ احمد بن خردازبہ	لیڈن
الاخبار الطوال	ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری	مصر
الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری	مصر
الملل و النحل	محمد بن عبدالکریم شہرستانی	مصرولندن
الاستیعاب فی معرفه الاصحاب	ابوعمر یوسف بن عبداندلسی	حیدرآباد
الاصابة فی تمییز الصحابة	ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی	مصر
القری لقاصدام القری	محب الدین طبری	مصر
المستدرك	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری	حیدرآباد
الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر سیوطی	مصر
الدرة الثمینة فی اخبار المدینة	ابن نجار	مصر
العبر فی خبر من غبر	ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	کویت
المنجد فی الاعلام		بیروت
التاریخ الکبیر	امام محمد بن اسماعیل بخاری	حیدرآباد
السیرة المحمدیة والطریقة الاحمدیة فی ذکر كتابه صلی الله علیه وسلم الی برویز بن هر مزا نو شیروان)	مولانا محمد کرامت علی	
اخبار مكة وما فیها من الآثار	ابوولید محمد بن عبداللہ ازرقی	مکہ مکرمہ
انساب الاشراف	ابوالحسن احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری	بیت المقدس
تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری	مصر
تقویم البلدان	ابوالوفاء	پیرس
تاریخ ابن خلکان	شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان	ایران
تاریخ الکامل	ابن اثیر جزری	مصر
تجرید اسماء الصحابة	ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	حیدرآباد
تاریخ ابن خلدون	عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون مغربی	مصر

تاریخ العرب بحوالہ مجلہ العربی ذوالحجہ ۱۳۸۱	بروکوبیو	لیدن
جمرة اللغة	محمد بن الحسن بن درید الازدی	حیدرآباد
جمع الوسائل فی شرح الوسائل	ملا علی قاری	مصر
جامع بیان العلم	ابوعمر یوسف بن عبد اندلسی	مصر
جمرة اشعار العرب	ابوزید محمد بن ابی الخطاب قرشی	مصر
دیوان حاتم		بیروت
دیوان نابغه شیبانی		دمشق
دیوان بشیر بن ابی حازم اسدی .	ابوالعالی	مصر
رجال السند والهند إلى القرن السابع	قاضی اطہر کفوری	دہلی، ممبئی، قاہرہ
رحمة للعالمين	مولانا سلمان منصورپوری	دہلی
رحلة الصديق	نواب صدیق حسن خان	ممبئی
راد المعاد	ابن القیم الجوزیہ	مصر
سیره ابن هشام	عبدالملک بن ہشام بصری	مصر
سنن ترمذی ابواب الامثال	امام ابوعیسیٰ ترمذی	دہلی
سبحة المرجان آثار هندوستان	غلام علی آزاد	ممبئی
سنن نسائی باب غزوة الهند	امام ابوعبدالرحمٰن شعیب	دہلی
شمائل ترمذی	امام ابوعیسیٰ ترمذی	دہلی
صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	مصر
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری نیساپوری	مصر
صفة جزيرة العرب	ہمدانی	لیڈن
طبقات ابن سعد	محمد بن سعد واقدی بغدادی	بیروت
طبقات الامم	...صاعد اندلسی	مصر
عرب و هند کے تعلقات	علامہ سلیمان ندوی	الہ آباد
عجائب الهند	بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی	لیڈن
فتوح البلدان	ابوالحسن احمد بن یحییٰ بلاذری	مصر
فتح الباری	احمد بن علی حجر عسقلانی	مصر
فضل الله الصمد فی توضیح الادب المفرد	مولانا فضل اللہ گیلانی	مصر

کتاب	مصنف	مقام
كتاب المحبر	ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی	حیدرآباد
كتاب الازمنة والامكنة	مرزوقی	حیدرآباد
كتاب اسماء جبال تهامه وسكانها وما فيها من القرئ	عرام بن الاصبغ سلمی	قاہرہ
كتاب التيجان	ابومحمد عبداللہ بن ہشام	حیدرآباد
كتاب الحيوان	جاحظ	بیروت
كتاب الذخائر و التحف	قاضی رشید	کویت
كتاب الاضداد فی اللغة	ابن بشار انباری	کویت
كتاب المعارف	ابن قتیبہ	مصر
كتاب الخراج	قاضی ابویوسف	مصر
كتاب الاموال	ابوعبیداللہ قاسم بن سلام	بمبئی و مصر
كتاب البلدان	ابن فقیہ ہمدانی	لیڈن
كنز العمال	علی متقی برہانپوری مکی	حیدرآباد
كتاب الخراج وصنعة الكتابة	ابوالفرج قدامہ بن جعفر بغدادی	مصر
كتاب الانساب	ابوسعد عبدالکریم ابوبکر محمد سمعانی	لندن حیدرآباد
لسان العرب	محمد بن مکرم بن منظور افریقی	مصر و بیروت
معجم البلدان	ابوعبداللہ یاقوت حموی	مصر
مسالك الممالك	ابواسحاق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری	لیڈن
مجمع البحرين	محمد بن علی	ایران
موضح اوهام الجمع والتفريق	خطیب بغدادی	حیدرآباد
مسند امام احمد بن حنبل	امام عبداللہ احمد بن محمد حنبل	مصر
مروج الذهب	ابوالحسن علی حسین مسعودی	مصر
ماهنامه معارف مارچ تا اپریل ۱۹۵۱	دارالمصنفین	اعظم گڑھ، ہند
مجمع بحار الانوار	محمد طاہر گجراتی	دہلی
نزهة الخواطر	علامہ عبدالحئی بن فخرالدین	ہند
وصف الهند وما جاورها من البلاد	کتاب المشتاق	علی گڑھ